حیاتِ مستعار

کی ایک جھلک

مولانا مفتی محمد جمیل خان

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی :

سفر افغانستان کی برکتوں اور رحمتوں کے مشاہدہ کے بعد شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ پر شہادت کی ایک دھن سی سوار ہوگئی تھی اور تعلق مع اللہ کی ایک خاص کیفیت سے آپ سرشار نظر آتے۔ ایک ایسی روحانی مسکراہٹ ہر وقت آپ کے چہرے پر رہتی کہ پوری مسجد کے نمازی اور آپ سے ملنے والا ہر فرد اس کی روحانیت کا مشاہدہ کرتا۔ صاحب دل اور ارباب باطن تو آپ کی اس کیفیت کو کوئی اور رنگ دیتے، مگر ہم جیسے کور باطن کس طرح وہاں پہنچ سکتے تھے جہاں خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نگاہیں "آیت تکمیل دین" اور سورۂ نصر کے نزول کے وقت پہنچ گئی تھیں۔ آپ سراپا اس کیفیت کے مظہر بن گئے :

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

آپ کی شہادت سے تین دن قبل میں نے حضرتؒ سے درخواست کی کہ مجھے اجازت مرحمت فرمائی جائے تاکہ آپ کے گلشن اقرا کی شاخوں کا جال ظلمت کدہ گلگت میں پھیلا کر آغاخانیوں کی گمراہی اور ضلالت کے سیلاب کے آگے بند باندھا دیا جائے اور آپ نے جو روحانی سلسلہ گلگت کی سرزمین میں اس پیرانہ سالی میں شروع فرمایا ہے اس کی آبیاری کی جائے۔ حضرت شہیدؒ نے بہت بشاشت اور دعاؤں کے ساتھ اجازت دے کر مجھے رخصت کیا تو میں ایک عزم اور ولولہ اور ہمت کے ساتھ روانہ ہوا۔ ۱۸ مئی ایک بجے ڈی سی "کاکوچ" کے ذریعہ وہ المناک اور

وحشتناک خبر سنی، جس نے میری دنیا کو اندھیر کر دیا، اور عزم و حوصلے شکستہ اور پست کر دیئے۔ ولولے اور جذبات سرد پڑ چکے ہیں۔ رنگینی دنیا بے مزہ ہو چکی ہے اور دینی کاموں میں بے کیفی کی سی کیفیت ہے۔ بقول حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے کہ : قدرت کی بے نیازی اور شان استغنا کے قربان جایئے، سفر و حضر، جیل ریل کے تلمیذ خاص شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی تو شیخ الہند کے جنازہ میں شریک نہیں اور میں کہ زندگی میں دو چار بار زیارت سے مستفید ہوا، جنازہ میں شرکت کیلئے غیر ارادی طور پر پہنچ گیا۔ "واہ نیرنگی قدرت تجھ پر قربان" گلگت سے پہنچنا ناممکن تھا۔ مولانا سعید احمد جلال پوری، حافظ عبدالقیوم نعمانی، مولانا محمد طیب لدھیانوی، بھائی حافظ محمد سعید لدھیانوی، مفتی منیر احمد اخون، مجروح عزیز مولوی محمد یحییٰ لدھیانوی، مفتی خالد محمود، عبدالرزاق خان، مفتی مزمل حسین کاپڑیا، محمد وسیم غزالی، مولانا نذیر احمد تونسوی، حافظ عتیق الرحمٰن لدھیانوی، محمد انور رانا، حاجی شاہنواز، قاری ہلال احمد ربانی اور دیگر مریدین و متعلقین کی عظمت کو سلام کرتا ہوں کہ انہوں نے اس عظیم حادثہ پر جس صبر و تحمل، تدبر و تفکر اور اولوالعزمی کا مظاہرہ کیا، وہ قابل تحسین ہے۔

حضرت شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ساری زندگی اس کوشش میں رہے کہ آپ شہرت سے دور رہیں اور کوئی آپ کو نہ پہچانے۔ خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شانِ فنا کی نسبت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور بقول حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ : "تصوف نام ہے اپنے آپ کو مٹا دینا"۔ حضرت شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی ساری زندگی اس فلسفہ کی تصویر بننے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک دفعہ جدہ ایئرپورٹ پر فرمایا : "دل چاہتا ہے کہ مجھے کوئی نہ جانے، نہ کوئی حضرت کہے، نہ بڑا سمجھے، اتنے میں پی آئی اے کا ایک افسر آیا اور دو فرسٹ کلاس کے بورڈنگ کارڈ دے گیا کہ ایک آپ کیلئے اور ایک کسی اور بزرگ کو آپ مرحمت فرما دیں۔ حضرت نے فرمایا دیکھو میں کیا سوچ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کیا معاملہ فرماتے ہیں۔" حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اس خواہش کے مقابلہ میں رب کائنات اپنے فضل کا معاملہ فرماتے ہیں اور آپ شہید ہوتے ہیں تو عالم اسلام آپ کی شہادت پر ناز کرتا ہوا آپ کی جدائی پر افسردہ ہوتا ہے۔ ایک گھنٹہ کے اندر اندر دنیا کے تمام ذرائع ابلاغ پہلی خبر کے طور پر شہ سرخی کے ساتھ یہ خبر نشر کرتے ہیں کہ : "حضرت اقدس

مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو جامع مسجد فلاح کے قریب دہشت گردوں نے شہید کر دیا۔" اس خبر کے نشر ہوتے ہی پوری دنیا کے کروڑوں مسلمان اشکبار ہو کر اپنے شہید فرزند اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ آج تک کوئی ایسا مسلمان میری نگاہ سے نہیں گزرا، جس نے حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کی خبر سنی ہو اور اس نے آپ کو خراج عقیدت پیش نہ کیا ہو۔ مجھے کوئی آنکھ ایسی نہیں ملی جو اس خبر پر نم نہ ہوئی ہو۔ اخبارات کی زینت بننے سے راہ فرار اختیار کرنے والے مولانا محمد یوسف لدھیانوی ایک دن نہیں کئی دن تک اخبارات کے صفحہ اول کی زینت بنتے رہے، لیکن اس میں بھی (میں اپنے حضرت کی کرامت پر قربان جاؤں) نہ شرعی حدود سے آپ کی شہادت کی خبریں متجاوز ہوئیں اور نہ ہی آپ کے متوسلین نے آپ کے بعد ان خبروں میں شرعی حدود سے تجاوز کیا۔ تصاویر سے پاک یہ مقدس ماحول حضرت شہیدؒ کی ولایت کی گواہی دیتا رہا۔ صدر پاکستان سے لے کر جنرل مشرف، اور ایک ادنیٰ وزیر و سفیر کوئی تعزیت سے پیچھے نہیں رہا مگر حضرت رحمۃ اللہ کی برکت کہ کسی کی ایک تصویر تک اخبار میں شائع نہیں ہوئی۔ رفیق محترم مولانا سعید احمد جلال پوری نے حکم دیا کہ بینات کے خصوصی نمبر کے لئے ایک مضمون تحریر کرو، مگر شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول جو انہوں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال پر تحریر فرمایا کہ احباب کا تقاضہ ہے کہ پرچہ میں تاخیر ہو رہی ہے، حضرتؒ پر کچھ لکھوں، مگر یہ ناکارہ دل کے شکستہ پارے جمع کرنے میں مصروف تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا لکھوں۔ بالآخر چار و ناچار دل پر جبر کر کے چند بے ربط باتیں لکھ دیں۔ حضرت شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تو بہت اونچے درجے پر فائز اولوالعزم شخصیت تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات پر ان کی یہ کیفیت ہے تو ہم جیسے بے بضاعت اور ناکارہ لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ جن کی متاع عزیز اور متاع دل ہی حضرت تھے۔ اس لئے کئی دن تک بندش قلم کی کیفیت رہی کہ کیا لکھوں؟ اور کیسے لکھوں؟ تذبذب کی اسی کیفیت میں شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون جو انہوں نے حضرت اقدس محدث العصر عاشق رسول مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر ابتدائی طور پر تحریر فرمایا تھا نظر سے گزرا تو ایسا معلوم ہوا کہ شہید اسلام مولانا محمد

یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قلم مبارک سے اپنے لئے ہماری ترجمانی فرمائی ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اپنے شیخ و مرشد اور مربی حضرت شہید ہی کے بابرکت کلمات کے ذریعہ آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مضمون کا آغاز کیا جائے :

۱۳ صفر ۱۴۲۱ھ ۱۸ مئی ۲۰۰۰ء کا دن پاکستان کی علمی و دینی تاریخ میں ایک المناک سانحہ اور جاں گداز المیہ کی حیثیت سے یادگار رہے گا۔ اقلیم علم کا تاجدار، مسند ولایت کا صدر نشین، گلشن دین کا باغبان، حریم نبوت کا پاسبان، ولی اللہی سلسلہ کا امین، قاسمی حکمت کا رازدان، بنوری علوم و معارف کا وارث، علم و معرفت کا بحر مواج، اسرار شریعت کا نکتہ رس، شجرۂ علم کا گل سرسبد، چوہدری اللہ بخش کا لخت جگر، شیخ بنوری کی آنکھ کا تارا، لدھیانوی خانوادہ کا چشم و چراغ، دودمان نبوت کا چاند اور سیادت و قیادت کا آفتاب دنیا کے افق سے غائب ہو گیا۔ ہمارے شیخ السید الامام محمد یوسف لدھیانوی شہید کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موت کوئی اچنبھا چیز نہیں کہ اس پر حیرت و تعجب کا اظہار کیا جائے۔ یہ سنت بنی آدم ہے، یہاں کا آنا ہی جانے کی تمہید ہے، یہاں جو بھی آیا، جانے کے لئے آیا، سرائے عالم کا ہر مسافر منزل عدم کا راہ نورد ہے :

له ملك ينادى كل يوم

لدوا للموت وابنوا للخراب

ترجمہ : ”اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک فرشتہ روزانہ یہ اعلان کرتا ہے کہ بچے پیدا کر موت کے لئے، اور عمارتیں بناؤ خراب ہونے کے لئے۔“

موت کے قانون سے نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ ولی، نہ عالم نہ جاہل، نہ نیک نہ بد، نہ مومن نہ کافر، نہ شاہ نہ گدا، اور اپنے وقت پر سب ہی گئے اور سب ہی کو جانا ہے، لیکن جانے والوں میں کچھ ایسے خوش بخت بھی ہوتے ہیں کہ زندگی ان کے نقش پا سے راستے ڈھونڈتی ہے، قومیں ان کے نور سے روشنی پاتی ہیں، انسانیت ان سے غازۂ حسن مستعار لیتی ہے، شرافت ان پر ناز کرتی ہے، محبوبیت انہیں دیکھ دیکھ کر اپنی کاکل و گیسو سنوارتی ہے، ایوان علم ان کے بہار آفریں وجود سے گل و لالہ بن جاتا ہے، مجروح قلوب ان کے انفاس سے مرہم شفا پاتے ہیں، بے کس و درماندہ افراد ان کے سایہ عاطفت میں پناہ لیتے ہیں، وہ شمع کی مانند خود پگھلتے ہیں مگر مخلوق خدا پر ضوفشانی

کرتے ہیں، خود جلتے ہیں مگر دوسروں کو جلا بخشتے ہیں، خود بے چین و بے قرار رہ کر دوسروں کو راحت و سکون عطا کرتے ہیں۔ ان کے آئینہ رخ زیبا میں یاد خدا کی تصویر جھلکتی نظر آتی ہے (اذا رؤوا ذکر اللہ)، ان کی دید دل کو سرور اور آنکھوں کو نور عطا کرتی ہے، ان کی محفل سکینت جنت کا نمونہ پیش کرتی ہے، وہ خاموش ہوں تو ہیبت و وقار پر لباندھے پہرہ دیتے ہیں، بات کریں تو موتی رولتے ہیں، مسکرائیں تو پھول برساتے ہیں، ناز کریں تو آسمان سے صدائے لبیک آتی ہے، گڑگڑائیں تو عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔ دنیا سے یہ بھی جاتے ہیں مگر اس شان سے جاتے ہیں کہ ہر چہار سو صف ماتم بچھ جاتی ہے، آسمان و زمین نوحہ کرتے ہیں، انسانیت کا پرچم سرنگوں ہو جاتا ہے، زمانہ تاریخ کی کروٹ بدل دیتا ہے اور قصر ملت میں زلزلہ آجاتا ہے۔ ہمارے شیخ ؒ چلے گئے، لیکن آہ! ملت کا صبر و سکون بھی ساتھ لے گئے۔ آج کون اشکبار نہیں؟ کون دل فگار نہیں؟ مدرسہ میں کہرام ہے کہ اس کے استاد حدیث چپکے سے چلے گئے، دارالحدیث کے در و دیوار پکار رہے ہیں کہ شیخ لدھیانوی کے لحن میں قال اللہ و قال رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو سحر آفریں آواز آتی تھی، بند ہو گئی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اپنی یتیمی پر نوحہ کناں ہے کہ اس کے نائب امیر و ترجمان بچھڑ گئے۔ اقرأ روضۃ الاطفال کے گھر گھر ماتم ہے کہ اس کے بانی و مدیر رخصت ہو گئے، جامع مسجد فلاح پر سکوت مرگ طاری ہے کہ اس کے روح رواں چلے گئے، اہل قلوب مضطرب ہیں کہ: ''جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے''۔

اہل نظر تصویر حیرت ہیں کہ متاع دین و دانش لٹ گئی، علمأ مبہوت ہیں کہ علم و فقاہت کی بساط الٹ گئی، دانشوروں کو غم ہے کہ فضیلت و سیادت کی مسند خالی ہو گئی، اہل حق سراسیمہ ہیں کہ ان کی ڈھال چھن گئی، یتیموں اور بے کسوں کو صدمہ ہے کہ ان کا مشفق و مربی اٹھ گیا، عالم اسلام مغموم ہے کہ ملت ایک دیدہ ور راہنما سے محروم ہو گئی۔ ان للہ ما اخذ و لہ ما اعطی و کل شیئی عندہ باجل مسمی۔

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت شیخ قدس سرہ کو اس قدر ظاہری و باطنی کمالات سے نوازا اور اتنی خوبیوں سے آراستہ فرمایا تھا کہ نہ تو ان کا صحیح ادراک ہو سکتا ہے نہ ان کے لئے مناسب الفاظ و تعبیرات مل سکتی ہیں۔ عام لوگ انہیں اخباری اصطلاح میں بس ایک ''ممتاز عالم دین'' اور ''عظیم راہنمائے ملت'' کی حیثیت سے جانتے تھے، اسلامی دنیا ان کی فصاحت و بلاغت اور وسعت

معلومات کا لوہا مانتی تھی، اہل علم ان کے فضل و کمال ان کے تدین و تقویٰ، ان کے اخلاص و عزیمت اور ان کی شہامت و نجابت کے معترف تھے، حکام ان کی حمیت و غیرت، ان کی جرأت و استقامت اور ان کی حق گوئی و بے باکی سے خائف تھے، اہل زیغ، ملاحدہ و زنادقہ ان کی ضرب ید اللّٰہی سے لرزاں تھے، طلبہ ان کے حدیثی و تفسیری، فقہی و کلامی معارف و افادات پر سر دھنتے تھے، احباب ان کے حسن صورت، حسن سیرت، حسن مصاحبت، حسن معاشرت، حسن تکلم، حسن تبسم پر گرویدہ تھے، مگر سچی بات یہ ہے کہ :

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

حضرت قدس سرہ کی ایک ایک ادا اپنے اندر "بسیار شیوہ ہا" رکھتی تھی، ان کی ایک ایک جنبش لب بجلیاں گراتی تھی، ان کا ایک ایک نقش پا جادۂ استقامت کی نشاندہی کرتا تھا :

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم

حضرت قدس سرہ علم کا خزانہ تھے، عمل کا نمونہ تھے، عاقل و فہیم تھے، ذکی و لبیب تھے، عابد و زاہد تھے، متقی و پرہیزگار تھے، جری و بہادر تھے، نڈر و حق گو تھے، فیاض اور سخی تھے۔ انہیں جو کچھ ملا تھا موہبت خداوندی سے ملا تھا اور ان کے تنہا وجود میں اس قدر فوق العادت اوصاف و کمالات قدرت نے جمع کر دیئے تھے کہ ایک بڑی جماعت پر تقسیم کر دیئے جائیں تو محاسن سے مالا مال ہو جائے۔

حضرت شیخؒ کو حق تعالیٰ نے عبدیت و محبوبیت کا بلند ترین مقام عطا فرمایا تھا، اور صحیح بخاری شریف کی حدیث : "ثم یوضع لہ القبول فی الارض" کے مطابق ان کی یہ محبوبیت عطیہ آسمانی تھا۔ وہ ہر محفل میں "چراغ محفل" ہوتے، خواہ یہ محفل بادشاہوں کی ہوتی یا درویشوں کی، طلباً کی یا دانشوروں کی، عربوں کی یا عجمیوں کی، احباب کی یا اغیار کی، وہ سب پر بھاری نظر آتے۔

انہیں بڑے قد آور بادشاہوں اور سربراہان مملکت سے لے کر ادنیٰ ادنیٰ لوگوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں تک سے باتیں کرتے دیکھا، مگر ان کی صولت و شوکت، ان کی زیبائی و رعنائی، ان کے حسن و جمال، ان کے جاہ و جلال، ان کے حلم و وقار کا رنگ ہر جگہ یکساں نظر آیا۔ ان کی محبوبیت ہر جگہ نمایاں جھلکتی نظر آئی۔ انہیں اپنے اللہ پر بڑا اعتماد تھا، بڑا ناز تھا۔ یقین و توکل ایسا تھا گویا وہ لوح

محفوظ سے ابھی ابھی پروانہ لے کر آئے ہیں۔ انہیں اسباب و وسائل کی پرواہ نہیں تھی، وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کے لئے اور خدا کے بھروسے پر کرتے تھے۔ حضرت قدس سرہ کا یہ فقرہ آج بھی بہت سے لوگوں کے کانوں میں گونج رہا ہوگا کہ: "زمین و آسمان کے خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں، اگر ہم اخلاص کے ساتھ اس کے دین کا کام کریں تو اس کے خزانوں میں کیا کمی ہے؟"

وہ جس کام کا ارادہ کرتے اس کے لئے استخارے کرتے، دعائیں کرتے، غلاف کعبہ پکڑ کر گڑگڑاتے، روضہ رسولؐ کی جالیوں کے سامنے حق تعالیٰ سے التجائیں کرتے، اہل قلوب سے دعائیں کراتے، معاملہ فہم مخلصین سے مشورے کرتے، ان دعاؤں اور استخاروں کا سلسلہ بسا اوقات مہینوں تک چلتا، اور جب پوری طرح اطمینان ہو جاتا کہ اس میں نفسانی خواہش کا کوئی شائبہ نہیں تو توکل بر خدا اسے شروع کر دیتے، اور پھر نتائج سے بے نیاز ہو کر اس پر اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیتے۔

حضرت قدس سرہ کو نمود و نمائش اور طلب شہرت سے طبعاً نفرت تھی، مال و جاہ کے مریض کا ان کے ساتھ جوڑ نہیں بیٹھتا تھا، وہ دینی جماعتوں کی صدارتوں اور امارتوں کے عہدوں سے بہت بلند و بالا تھے، دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا عہدہ بھی ان کے شرف و مجد میں اضافہ نہیں کرتا تھا، بلکہ خود ان عہدوں کا آپ کے وجود سے مشرف ہونا ان کے لئے مایہ صد افتخار تھا، وہ کسی عہدے کے خواستگار نہیں، بلکہ عہدے ان کے متلاشی تھے، ۱۹۹۲ء میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی نائب امارت کے لئے آپ کو منتخب کیا گیا، جاننے والے جانتے ہیں کہ کتنی منتوں سماجتوں، کتنے استخاروں، دعاؤں اور مشوروں کے بعد آپ نے یہ منصب قبول فرمایا:

"حضرتؒ کے اخلاص و للّٰہیت، بے لوثی و بے غرضی اور بے نفسی و فروتنی کا ثمرہ تھا کہ یہ بے تاج بادشاہ کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکمرانی کر رہا تھا اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوا تو اس کا آفتاب شہرت نصف النہار پر تھا۔ آپ نے اپنے آپ کو جتنا مٹایا اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی اٹھایا، جس قدر اپنی پستی و فروتنی کا اقرار کیا حق تعالیٰ نے اسی قدر رفعتوں اور بلندیوں سے ہمکنار کیا۔ سچ ہے: "من تواضع لله رفعه الله"۔ فوق العادت اخلاص و تواضع کے ساتھ ساتھ آپ کی خودداری و استغنا کی شان بھی نرالی تھی۔"

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ معروف معنوں میں علمی خاندان

سے تعلق نہیں رکھتے تھے اس لئے آپ کے علمی وقار اور دینی شہرت کا تعلق اور محور آپ کی ذات گرامی کے گرد گھومتا ہے۔ گویا آپ کی علمی تحقیق و تدقیق آپ کی ذاتی محنت و جستجو کی مرہون منت اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور قبولیت عنداللہ کی بنا پر تھی۔ آپ اپنے خاندانی حالات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں :

"مشرقی پنجاب کے ضلع لدھیانہ اور ضلع جالندھر کے درمیان دریائے ستلج حد فاصل کا کام دیتا تھا۔ ضلع لدھیانہ کے شمال مشرقی کونے میں دریائے ستلج کے درمیان ایک چھوٹی سی جزیرہ نما بستی "عیسیٰ پور" کے نام سے آباد تھی جو ہر برسات میں گرنے اور بننے کی خوگر تھی۔ یہ مصنف کا آبائی وطن تھا"۔

گویا حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت میں کسی علاقے یا خطہ کا دخل نہ تھا بلکہ یہ عطیہ خداوندی اور آپ کی خداداد صلاحیت اور آپ کی علمی لگن اور عملی زندگی میں محنت و جستجو اور انابت الی اللہ کا ثمرہ تھا۔ تاریخ ولادت قطعی اور یقینی طور پر کہیں لکھی ہوئی نہیں تھی کیونکہ اس زمانہ میں اس کا دستور نہ تھا۔ اندازے سے فرمایا کرتے تھے کہ ۱۳۵۱ ہجری اور ۱۹۳۲ عیسوی تھا۔ والدۂ ماجدہ کی شفقت مادری سے آپ شیر خوارگی میں ہی محروم ہو گئے تھے اور اس کا قلق اور صدمہ آپ کو زندگی بھر رہا۔ اکثر آغوش مادر کا تذکرہ بہت زیادہ حسرت سے فرماتے لیکن اس کے ساتھ والد محترم کی شفقت کے دونوں پہلوؤں کا تذکرہ بہت ہی اچھے انداز سے فرماتے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے میری اس مولویت اور تصلب فی الدین میں والد محترم کی تربیت کا بہت زیادہ دخل ہے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ بھی اکثر سنایا کرتے تھے کہ والد محترم سال میں ایک دفعہ درزی گھر بلوا کر سب گھر والوں کے کپڑے سلوایا کرتے۔ ایک دفعہ میں مدرسہ سے چھٹیوں پر گھر آیا تو خاندانی درزی کپڑے سینے کیلئے آیا ہوا تھا۔ میں نے شہر میں نئے نئے ڈیزائن کے کپڑے دیکھے تھے۔ میں نے اس خاندانی درزی سے کہا کہ میری قمیض کی آستین کف والی بنا دینا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ قبلہ والد صاحب تشریف لائے تو اس نے تذکرہ کر دیا۔ میرے شام کو گھر آنے پر والد صاحب نے فرمایا کہ مولوی صاحب بودی بھی بنوالو۔ بس آپ کا ایک لفظ دل پر ایسا اترا کہ آج تک ان تمام فیشن زدہ چیزوں سے نفرت دل میں بیٹھ گئی۔ آپ کے والد محترم کا نام چوہدری اللہ بخش تھا۔ جن کے حالات حضرت اقدس نے ان کی وفات پر تحریر فرمائے تھے، جس سے والد

محترم کی علو شان کا اندازہ ہو جاتا ہے حضرت نے اپنے والد ماجد کے حالات زندگی لکھتے ہوئے تحریر فرمایا:

"حضرت والد مرحوم کو حق تعالیٰ شانہ نے بہت سی سعادتوں سے نوازا تھا۔ عقل و دانش، فہم و فراست، صلاح و تقویٰ، اخلاص و ایثار، اخلاق و مروت، مہمان نوازی، غریب پروری، کرم گستری اور خلق خدا کی نفع رسانی کی بنا پر بچپن سے جوانی تک اور جوانی سے پیری تک وہ اپنے حلقہ تعارف میں محبوب و معظم رہے۔

حضرت والد مرحوم نے اپنی حیات مستعار کا آغاز نہایت بے کسی و کسمپرسی اور ناتوانی کی حالت میں کیا تھا، بساط حیات پر ابھی قدم نہ رکھا تھا کہ سایہ پدری سر سے اٹھ گیا اور عین شیر خوارگی کی حالت میں آغوش مادر چھن گئی، عالم اسباب میں اس یتیم کا سوائے دہ سالہ ہمشیرہ کے کوئی کفیل نہ تھا۔ نہ کوئی تایا، نہ چچا، نہ کوئی بھائی، نہ ماموں، نہ کوئی خویش و قریب، لیکن مالک کی قدرت کے قربان جایئے کہ یہی نادار اور بے کس یتیم بچہ ابھی اٹھارہ بیس کے سن کو نہیں پہنچا تھا کہ علاقے بھر کی پنچایتی عدالتوں میں اسے "سرپنچ" تسلیم کر لیا گیا اور پیچیدہ سے پیچیدہ تنازعات میں اس کے فیصلے قبول کئے جانے لگے۔ اس کا فیصلہ فہم و تدبر اور عقل و دانش کا آئینہ دار ہوتا تھا، جس سے مقدمہ کے دونوں فریق مطمئن ہو جاتے، پورے علاقے میں یہ فیصلے ایسی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے کہ ان کے بعد لوگوں کو کسی معاملہ میں تھانے اور عدالت سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

حضرت والد مرحوم کی تعلیم معمولی نوشت و خواند تک محدود تھی، قرآن مجید پرانی وضع پر میاں جی صاحب سے پڑھا تھا، لیکن فطری سلامتی، علو استعداد اور اہل اللہ کی جوتیوں میں بیٹھنے کی وجہ سے دینی معلومات میں وہ مجھ جیسے فارغ التحصیل علماً سے بدرجہا فائق تھے۔ کوئی عالم صحیح مسئلہ بیان کرے وہ اس پر اطمینان قلب اور انشراح صدر کا اظہار فرماتے اور اگر کبھی

مسئلہ شرعی کے بیان میں [illegible] ہو جاتی تو والد مرحوم کا قلب صافی اسے قبول کرنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوتا۔ خود راقم الحروف کو اس نوعیت کے کئی واقعات پیش آئے۔ ایسے مواقع پر یہ ناکارہ اپنے احباب سے کہا کرتا تھا کہ بھئی ہمارا علم کتابی و اکتسابی ہے۔ کتاب کو صحیح سمجھا تو مسئلہ صحیح بتادیا، غلط سمجھا تو بیان میں بھی غلطی ہوئی لیکن حضرت والد صاحب کا علم کتابی نہیں، بلکہ اہل اللہ کی صحبت سے ان کا آئینہ قلب مجلی ہے، اس لئے کسی غلط مسئلے کو ان کا قلب قبول ہی نہیں کرتا۔

حضرت والد مرحوم کو بچپن سے ہی بدعات سے نفرت تھی، سنت نبویؐ سے عشق تھا۔ دس بارہ برس کی عمر سے تہجد و شب خیزی کی عادت تھی اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان کی آخری نماز بھی تہجد ہوئی۔ ان کی فطرت سلیمہ نے اہل اللہ سے محبت و الفت کی طرف رہنمائی کی۔ قطب العالم حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے بیعت و ارادت کا تعلق تھا، اور اوراد و ظائف کے پابند تھے۔ سحری کے وقت ذکر بالجہر کرتے ہوئے قلب پر الا اللہ کی ضرب کچھ ایسے انداز سے لگاتے کہ سننے والوں کے دل ہل جاتے۔ اشراق، اوّابین، حزب اعظم، اور تلاوت قرآن مجید تو گویا ان کی غذا بن گئے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ تقسیم سے پہلے میرے ایک دوست جو مودودی صاحب سے متاثر تھے، وہ مجھے مودودی صاحب کی کتابیں پڑھنے کے لئے دیا کرتے تھے، اور میں مودودی صاحب کی تحریر سے بہت ہی لطف اندوز ہوتا۔ پاکستان آکر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ پڑھنا شروع کئے۔ اس وقت مجھے حضرت تھانویؒ کے مواعظ کے سوا کسی کی تحریر میں لذت نہیں آتی تھی اور اب تو قرآن مجید کے سوا کسی اور چیز میں لذت نہیں رہی۔ اس ناکارہ نے بارہا دیکھا کہ دور دراز کے سفر سے تھکے ماندے تشریف لائے ہیں، لیکن بجائے آرام و استراحت کے سیدھے مسجد پہنچے اور قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہوگئے۔ ان کی استقامت و رسوخ فی

العبادت کا یہ عالم تھا کہ ۱۳۸۸ھ میں انہیں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ روسیاہ بھی دفع نظر بد کے لئے ساتھ تھا، اپنی تو ممکن ہے کبھی جماعت بھی رہ گئی ہو ورنہ ایک دو رکعتیں تو کئی بار جماعت سے فوت ہوئیں۔ لیکن اس چار ماہ کے طویل سفر میں ملتان واپسی تک حضرت والد مرحوم کی ایک بار بھی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہوئی، حرمین شریفین میں کثرت اژدھام کے باوجود وہ اکثر صف اوّل میں امام کے پیچھے ہوتے تھے۔ ان دنوں پندرہ پارے یومیہ تلاوت کا معمول تھا۔ سر درد کی شکایت ہوگئی تو اس ناکارہ کے عرض کرنے پر پندرہ کے بجائے دس پارے کر دیئے۔

ہماری بستی میں کوئی حافظ نہیں تھا۔ رمضان المبارک میں تراویح کے لئے حافظ کی تلاش میں ہمیشہ پریشانی ہوتی۔ بڑی حسرت کی ساتھ اس ناکارہ کو فرماتے کہ تو خود ہی قرآن کیوں حفظ نہیں کر لیتا۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والد مرحوم کی تمنا پوری فرمادی، ان کی ترغیب و تحریص اور دعاء برکت سے اس روسیاہ کو بھی کچا پکا یاد ہوگیا اور پھر رمضان المبارک میں اس ناکارہ نے ہمیشہ خود ہی سنانے کا التزام کیا، جس سے حضرت والد مرحوم کو بہت ہی قلبی راحت نصیب ہوئی۔

حضرت والد ماجدؒ کا قرآن کریم سے شغف بلکہ عشق دراصل "رائے پوری نسبت" کا اثر تھا، جو ان کے دادا پیر حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ سے متواتر چلی آرہی ہے، یہ ناکارہ جب بھی رمضان گزارنے کے لئے ان کی خدمت میں اپنے گاؤں جاتا (یہ ان کا حکم تھا کہ تو پورا سال تو مدرسے میں رہتا ہے، کم از کم رمضان المبارک کا مہینہ تو میرے پاس گزارا کر، اور یہ ناکارہ ان کے حکم کی تعمیل میں رمضان المبارک ان کے پاس گزارنے کا التزام کرتا) وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ مولوی صاحب! یہاں گاؤں میں حفظ قرآن کا مدرسہ بناؤ، یہ ناکارہ عرض کرتا کہ گاؤں میں مدرسہ کا کامیاب ہونا مشکل ہوتا ہے، دیہاتیوں کی آپس میں پارٹی بازی چلتی ہے تو

نزلہ مسجد کے مولوی یا مدرسہ کے مدرس پر گرا کرتا ہے، ایک سال میں رمضان المبارک کے قریب حاضر ہوا تو جناب والد صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم نے گاؤں میں مدرسہ شروع کر دیا ہے، اس ناکارہ نے عرض کیا کہ اگر آپ نے شروع کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ مبارک کرے، چنانچہ حضرت والد صاحبؒ تاحیات اس مدرسہ کے کفیل رہے۔ کام کا آدمی ملنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے کئی سال کافی پریشانی رہی، بعد میں برادری ہی کے ایک حافظ کو، (جو ماشاء اللہ فارغ التحصیل عالم بھی ہیں اور حضرت اقدس قاری رحیم بخش پانی پتیؒ کے شاگرد ہیں) اس خدمت پر لگا دیا، بحمد اللہ! حضرت والد مرحوم کے حسن اخلاص کی برکت سے یہ مدرسہ تحفیظ القرآن بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے اور قریباً پچاس بچے قرآن کریم حفظ کر چکے ہیں۔ حضرت والد صاحب کی وفات کے بعد اس ناکارہ نے عرض کیا کہ اس مدرسہ کے لئے چندہ نہیں کیا جائے گا اور کوئی شخص اس میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ والد مرحوم کا یہ صدقہ جاریہ قائم و دائم رکھیں۔ اس ناکارہ نے حضرت والد ماجدؒ کو بارہا دیکھا کہ وہ سجدے میں پڑے حق تعالیٰ شانہ سے دعائیں کرتے رہتے تھے، یہ انہی کی دعوات صالحہ اور توجہات عالیہ کا اثر ہے کہ ان کی اولاد بحمد اللہ دین سے وابستہ ہے، کوئی دس پندرہ حافظ قرآن اور فارغ التحصیل عالم خود اپنی اولاد اور دیگر عزیزوں میں دیکھ کر گئے ہیں۔

والد مرحوم دیکھنے میں ایک دنیادار چوہدری تھے، مگر انہوں نے دنیا کے لئے نہ جائیداد بنائی، نہ دکان، نہ مکان۔ جو کچھ بنایا دین کے لئے بنایا۔

انسانی زندگی نشیب و فراز سے عبارت ہے۔ ان کی زندگی کا نصف اوّل بڑی تنگی و عسرت میں گزرا، اور نصف آخر میں حق تعالیٰ شانہ نے رزق کی بڑی فراوانی عطا فرمائی، لیکن ان کے انداز بود و باش میں کبھی فرق نہیں آیا۔ جب ان کے پاس کچھ نہیں تھا وہ تب بھی سفید پوش تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دیا تب بھی انہوں نے اپنی یا اپنی اولاد کی آسائش کے لئے کچھ

نہیں کیا، بلکہ جو کچھ آتا مہمان نوازی اور غریب پروری کی نظر ہو جاتا تھا۔ وہ فرشتہ نہیں تھے لیکن یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ فرشتہ سیرت تھے۔ ان سے غلطیاں و کوتاہیاں بھی ہوتی تھیں۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے کہ "اے اللہ! اگر آپ بخش دیں تو سب کچھ معاف کر سکتے ہیں اور آپ کا ایسا بندہ کون ہے جس نے کوئی کوتاہی نہ کی ہو")۔

تاہم حضرت والد مرحوم کے حق میں ان کے جاننے والوں کی متفقہ شہادت یہ ہے کہ انہوں نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا، کسی سے زیادتی نہیں کی، کسی کا حق نہیں دبایا، کسی کو نہیں ستایا اور کبھی کسی کو غلط مشورہ نہیں دیا۔ جہاں تک بس چلتا ہر ایک کی خیر خواہی فرماتے، ہر ایک کو مشفقانہ مشورہ دیتے، ہر ایک سے حسن سلوک کی تلقین فرماتے۔ حضرت والد ماجدؒ ایک لطیفہ ہمیشہ سنایا کرتے تھے کہ "ان کے بزرگوں میں ایک صاحب تھے جو اپنے باپ دادے کے کارنامے بڑے مزے سے سنایا کرتے تھے، وہ اتنا کھاتے تھے، اتنا دوڑتے تھے، اتنا بوجھ اٹھا لیا کرتے تھے، اتنے بہادر تھے، اتنے طاقتور، وغیرہ وغیرہ۔ ان صاحب کی داستاں سرائی کی تان اس پر ٹوٹا کرتی تھی کہ باپ دادوں کا تذکرہ کر کے آخر میں یہ کہا کرتے کہ سچ پوچھو تو ہم ان کی اولاد ہی نہیں، کیونکہ ہمارا ان سے کوئی مقابلہ نہیں، کوئی نسبت ہی نہیں"۔ اس ناکارہ کو اس لطیفہ سے ہمیشہ عبرت ہوا کرتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر اپنے اسلاف کے حالات و کمالات کو دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ ہم لوگ ان کی اولاد ہی نہیں۔

حضرت مرحوم ایک عرصہ سے بلڈ پریشر کے مریض تھے، جس سے صحت کافی کمزور ہو گئی تھی۔ رمضان المبارک سے ایک مہینہ قبل ہی مسجد کے نمازیوں سے فرمانے لگے کہ رمضان شریف آرہا ہے، روزہ رکھنے کی ہمت نہیں، اور یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا کہ رمضان کا بابرکت مہینہ ہو اور میں بغیر روزے کے رہوں، اس لئے آپ حضرات دعا فرمائیں۔ چنانچہ ہر نماز

کے بعد التزام سے یہ دعا کراتے کہ میں روزے رکھ سکوں۔ حق تعالیٰ شانہ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ پورے رمضان کے روزے رکھے، تراویح میں قرآن مجید سنا اور مغرب کے نوافل میں بھی قرآن کریم سنا، اور معمول کے مطابق اعتکاف بھی کیا۔ ماہ مبارک میں ان کی صحت بہت ہی اچھی ہو گئی۔ عید کے ایک ہفتہ بعد ملتان تشریف لے آئے۔ راقم الحروف کی اور چھوٹے بھائی کی رہائش ملتان میں تھی۔ نہایت ہشاش بشاش تھے۔ ۱۸ شوال کا جمعہ (جو ان کی زندگی کا آخری جمعہ تھا) پڑھا۔ رات کو حسب معمول نماز تہجد کے لئے اٹھے، نماز سے فارغ ہوئے تو مرض کا حملہ ہوا، بے ہوش ہو گئے، علاج معالجہ کی تدابیر کی گئیں، لیکن افاقہ نہ ہوا۔ منگل کی رات کو ہم لوگ انہیں گاؤں لے گئے۔ بالآخر جمعہ کی شب کو عشاء کی اذان سن کر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور اپنے آقا کا یہ وفادار بندہ اور جادۂ حیات کا یہ تھکا ماندہ مسافر اس جہان والوں کو ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گیا:

صد شکر کہ آپہنچا لبِ گور جنازہ
لو بحرِ محبت کا کنارہ نظر آیا"

(شخصیات و تاثرات ص ۲۸۵)

اس برگزیدہ ہستی کی تربیت کا ثمرہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی شکل میں ہی ملنا تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے اس درجہ تک پہنچنے میں قبلہ والد صاحب کی تربیت اور دعاؤں کا بہت زیادہ دخل ہے۔ آپ میری ایک ایک چیز پر نگاہ رکھتے۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدۂ محترمہ شیر خوارگی میں آپ کو داغ مفارقت دے چکی تھیں اس لئے اکثر آپ شفقت مادر سے محرومی کا تذکرہ فرماتے۔ خاندانی ذرائع کے مطابق حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدۂ محترمہ بہت عابدہ، زاہدہ تھیں، پورے خاندان میں آپ کی نیکی اور پارسائی کا تذکرہ تھا۔ معمولات کی پابند اور اللہ تعالیٰ سے لو لگانے والی نیک سیرت خاتون کے خون جگر کی پرورش نے آپ میں نیکی، صبر و تحمل کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا، اور طبعی طور پر آپ گناہوں سے متنفر ہو گئے تھے، اسی بنا پر خاندانی رسم و رواج کے برخلاف آپ کی رغبت اور توجہ ابتدا ہی سے دینی تعلیم کی طرف ہو گئی،

حالانکہ خاندانی طور پر آپ کا گھرانہ نمبر دار اور زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ شفقت مادر سے محرومی کے باوجود آپ کا تعلیم کی طرف متوجہ ہونا آپ کے والد محترم کی تربیت اور آپ کی فطری نیکی کی طرف واضح اشارہ ہے۔

پانچ یا چھ سال کی عمر میں تعلیم کے آغاز کیلئے والد محترم نے حضرت مولانا قاری ولی محمد صاحب کا انتخاب کیا جو حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے منتسبین میں سے تھے اور بقول حضرت شہید خضر صفت بزرگ تھے۔ قرآن کریم کی مکمل تعلیم انہی سے حاصل کی۔ چونکہ حضرت قاری صاحب کا تعلق قریبی بستی موضع جسووال سے تھا اس لئے قرآن کریم پڑھنے کیلئے آپ کم سنی میں اس بستی تشریف لے جاتے اس دوران آپ نے پرائمری کی تعلیم بھی مکمل کرلی جو بظاہر گاؤں کے اسکول ہی میں ہوئی ہوگی۔ اس اسکول کا تذکرہ آپ نے کبھی نہیں۔ ۱۳ سال کی عمر میں آپ نے درس نظامی کے آغاز کیلئے لدھیانہ کے مدرسہ محمودیہ اللہ والا میں داخلہ لے لیا۔ حضرت مولانا امداد اللہ حصاروی سے جن کو فارسی پڑھانے میں ملکہ حاصل تھا اور اس وقت درس نظامی کیلئے فارسی زبان بنیاد کی حیثیت رکھتی تھی ایک سال میں فارسی پڑھی۔ اندازہ یہ ہے کہ یہ ۱۳۶۳ھ کا سال ہوگا۔ اس کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن احرار کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ انوریہ میں صرف و نحو کی ابتدائی تعلیم کیلئے داخل ہوگئے۔ حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ، حضرت مولانا لطف اللہ شہیدؒ اور دیگر اساتذہ کرام سے صرف و نحو اور فقہ اور عربی ادب کی ابتدائی کتابیں بہت محنت و لگن سے پڑھیں۔ اساتذۂ کرام بھی مخلص ترین اور طلبا بھی محنتی، پھر تعلیم کے علاوہ کوئی اور سوچ بھی نہیں، اس لئے دو سال میں ابتدائی علوم پر حاوی ہوگئے۔ ۱۳۶۶ء ۱۹۴۷ء کا سن تقسیم پاکستان کا تھا۔ قیام پاکستان کے اعلان کے ساتھ ہی پورا ملک جس بدامنی کی لپیٹ میں آیا، خصوصاً لدھیانہ اور جالندھر اور اطراف کے علاقے دہلی سے امرتسر تک مسلمانوں کے لئے مقتل گاہ بنے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ مسلمانوں کے لٹے پٹے قافلے والوں کی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہوئی تھیں۔ کروڑوں مسلمان غیر محفوظ ہو کر رہ گئے تھے۔ حضرت شہید کا خاندان تو اس فساد زدہ علاقے کے مکینوں میں شامل تھا۔ ان پر کیا بیتی ہوگی؟ اس کا اندازہ تو علاقہ کی حالت زار سے کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال ایک سرگردانی کی کیفیت میں ادھر ادھر بھٹکتے ہوئے خاندان کے افراد نے پاکستان کا رخ کیا اور واہگہ کے راستہ

لاہور، ملتان اور پھر چک ۳۳۵ ڈبلیو بی ضلع ملتان میں سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ کچھ عرصہ تو رہنے سہنے کے انتظام میں لگا، معمولی سا اطمینان نصیب ہوا تو بچوں کی تعلیم کی فکر لاحق ہوئی۔ اکثر مدارس ہندوستان کی سرزمین پر رہ گئے تھے یا فسادزدہ علاقوں کی نذر ہو کر اپنا نام و نشان کھو بیٹھے تھے۔ ہزاروں مساجد بے آباد ہو گئی تھیں۔ حضرت شہید کی خواہش تھی کہ مدرسہ انوریہ لدھیانہ کے معروف استاد حضرت مولانا لطف اللہ شہید رائے پوری سے تلمذ حاصل کر کے تعلیمی سلسلہ بحال کریں کیونکہ ان کا انداز تدریس بہت ہی دلکش اور ان کی تفہیم بہت ہی اعلیٰ درجہ کی تھی مگر ان کا اتہ پتہ نہیں مل رہا تھا۔ ادھر ادھر معلومات کے دوران پتہ چلا کہ جہانیاں میں چوہدری اللہ داد مرحوم کی قائم کردہ مسجد میں مدرسہ رحمانیہ کے نام سے قائم مدرسہ میں تعلیم کا انتظام ہے جہاں پر حضرت مولانا غلام محمد لدھیانوی صاحب اپنے دیگر رفقائے کرام کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول ہیں۔ قبلہ والد صاحب کے حکم پر حضرت شہید نے تعلیم کے منقطع سلسلہ کا آغاز کیا اور ایک سال تک مزید ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس دوران بھی آپ حضرت مولانا لطف اللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے۔ شوال ۱۳۶۸ھ میں آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت قاری لطف اللہ شہید قاسم العلوم فقیروالی ضلع بہاولنگر میں درس و تدریس میں مشغول ہیں اور آپ کے ہمراہ حضرت مولانا عبداللہ رائے پوری اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب بھی تشریف فرما ہیں۔ آپ فوراً قاسم العلوم تشریف لے گئے جیسا کہ آپ نے حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کے تذکرہ میں تحریر فرمایا:

> ''حضرت مولانا قاری لطف اللہ شہید سے تلمذ کے شوق میں مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی پہنچا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ تقسیم سے قبل ایک سال مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے مدرسہ انوریہ شاہی مسجد کمیٹی باغ لدھیانہ میں مدرس رہے تھے اور وہاں اس ناکارہ کو ان سے ابتدائی عربی (نحو میر شرح مائۃ عامل) پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ ان کا طرز تفہیم ایسا دلکش تھا کہ میں ان کا گرویدہ ہو کر رہ گیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد میں ان کا متلاشی رہا۔ پہلی بار غالباً رمضان ۱۳۶۸ھ میں پتہ چلا کہ وہ مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی میں مدرس ہیں۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ''بڑے مولانا''

حضرت قاری لطف اللہ صاحب کے برادر اکبر حضرت مولانا عبداللہ صاحب بھی یہاں ہیں۔ اسباق تقسیم ہوئے تو ترجمہ قرآن کریم اور مختصر المعانی کے اسباق "بڑے مولانا" کے پاس گئے، ہدایہ اولین میرے محبوب استاد حضرت قاری لطف اللہ صاحب مرحوم کے پاس اور نورالانوار حضرت مولانا عبداللطیف کے پاس گئی۔"

(تخصیات وتاثرات ص ۲۵۹، ۲۶۰)

ایک سال حضرت نے تعلیم اسی مدرسہ میں حاصل کی اور اس کے بعد آپ خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحب کے پاس تشریف لے گئے اور اپنا تعلیمی اور روحانی سلسلہ حضرت شیخ کے ہاتھ میں دیدیا۔ چار سال آپ نے جامعہ خیر المدارس میں گزارے۔ ۷۳۔۱۳۷۲ھ مشکوٰۃ شریف (جس کو درس نظامی کی اصطلاح میں موتوف علیہ کہا جاتا ہے) اور ۷۴۔۱۳۷۳ھ میں دورۂ حدیث شریف میں کتب احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل فرمائی اور اعلیٰ نمبرات میں کامیابی حاصل کر کے دستار فضیلت حاصل کی۔ قاری سعید الرحمٰن مہتمم جامعہ اسلامیہ راولپنڈی کے مطابق آپ ہمیشہ درجہ میں اول نمبر پر آتے تھے۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی تو آپ پر شفقت اور محبت تھی ہی دیگر اساتذۂ کرام کی نگاہوں میں بھی آپ ذہین اور محنتی شاگرد ہونے کی وجہ سے محبوب تھے۔ جامعہ خیر المدارس میں آپ نے ان گراں قدر اہل علم ہستیوں سے کسب فیض اور شرف تلمذ حاصل کیا: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالشکور کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی عبداللہ ڈیروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اگلی زندگی کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں اپنے ان اساتذۂ کرام کی جھلک نظر آتی ہے۔ گویا رب کائنات نے آپ کی تربیت کا خصوصی طور پر اس انداز میں اہتمام فرمایا کہ آپ نے زندگی کے تمام شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

تدریسی خدمات :

علماٗ وارث انبیاٗ کی حیثیت سے علوم دینیہ کے محافظ ہوتے ہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وراثت میں اپنے علوم امت کے علماٗ کرام کی طرف منتقل کئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی وساطت سے سینہ بہ سینہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے یہ سلسلہ اسناد بغیر کسی انقطاع کے حضرت مولانا خیر محمد جالندھری اور دیگر اساتذہ کے توسط سے شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے قلب و ذہن میں منتقل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امانت کی حفاظت کا ذریعہ درس و تدریس ہی ہے اس لئے ہمارے اکابر علماٗ کرام طالب علم کو دستار فضیلت مرحمت فرماتے ہوئے تدریس کی تلقین فرماتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تکمیل تعلیم کے بعد اپنے آپ کو اپنے مربی و شیخ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کردیا۔ عام طور پر مہتمم حضرات قابل اساتذہ کیلئے اپنے مدرسہ کو ترجیح دیتے ہیں لیکن حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کیا کہ اکابر کی موجودگی میں مولانا محمد یوسف کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملے گا اور تدریسی مہارت حاصل نہ ہوسکے گی۔ اس لئے آپ نے اپنی نگرانی میں ضلع لائل پور کے علاقہ روشن والا کے ایک مدرسہ میں تدریس کیلئے آپ کو بھیج دیا۔ دو سال حضرت شہید نے اس مدرسہ میں جس انتھک محنت سے پڑھایا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ابتدائی کتابوں سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک آپ نے تمام کتابیں پڑھائیں۔ ایک ابتدائی مدرس کیلئے غالباً اتنی جلدی ترقی کی ایسی مثال شاذ و نادر ہی ملتی ہے اس سے آپ کی علمی قابلیت اور تدریسی صلاحیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ دو سال بعد حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے ماموں کانجن کے مدرسہ احیاٗ العلوم میں تدریس کے لئے آپ کو بھیج دیا گیا۔ جہاں پر حضرت دس سال تک تدریس فرماتے رہے۔ ۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ہر ماہ میں دس دن بینات کیلئے کراچی آنے کا حکم فرمایا اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی اجازت مرحمت فرمائی تو آپ نے مدرسہ والوں سے ہر ماہ دس دن کی اجازت مانگی ان کی طرف سے اجازت نہ ملنے کی بنا پر آپ نے مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی

ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساھیوال والوں کی دعوت قبول کرلی اور وہاں تدریس شروع فرمادی۔
حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ جب ۱۹۷۴ء میں ختم نبوت کے امیر مقرر ہوئے تو جامعہ رشیدیہ والوں سے درخواست کی کہ حضرت شہید کو دفتر ختم نبوت ملتان کیلئے اجازت دیں۔ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بنوری کی اس درخواست کو اپنے لئے حکم کا درجہ سمجھتے ہوئے بغیر کسی توقف کے قبول فرمایا۔ شہید اسلام حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا فاضل رشیدی اور دیگر لوگوں نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی اس درخواست پر کچھ کہنا چاہا مگر حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب فرمانے لگے نہیں، جیسا حضرت بنوری کا حکم ہو! بہر حال اس طرح آپ کا تدریسی سلسلہ منقطع ہوا، اور ۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۸۸ء تک آپ نے صرف تصنیف و تالیف کا کام فرمایا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ۱۹۸۸ء میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں یکے بعد دیگرے ایسے حادثات پیش آئے کہ آپ کو ایک دفعہ پھر تدریس کے میدان میں آنا پڑا۔ اس لئے کہ حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی مفتی اعظم پاکستان فالج کی وجہ سے پڑھانے سے معذور ہوگئے۔ حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی صاحب رحلت فرما گئے۔ حضرت مولانا فضل محمد صاحب سواتی حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ ہی میں بیماری کی وجہ سے سوات تشریف لے گئے اور وہیں تدریس میں مشغول تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا بدیع الزمانؒ بھی بیمار اور معذور ہوگئے ان نازک لمحات میں جانشین بنوری امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا، اور وہ عجیب دور تھا، کیونکہ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شہید رحمہ اللہ کے درمیان بے تکلفی تھی۔ مفتی صاحب اکثر تشریف لاتے اور آپ کے دست مبارک سے قلم چھین کر فرماتے، ماموں کبھی ہم سے بھی باتیں کیا کریں۔ حضرت اپنی نشست سے باہر تشریف لاتے اور پھر ایک عجیب روحانی محفل کا آغاز ہو جاتا۔ حضرت شہید اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص ولی ہے مگر اس نے اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے۔ بہر حال مفتی احمد الرحمٰن نے بے تکلفی سے فرمایا: ''ماموں آپ نے ابو داؤد شریف پڑھانی ہے۔'' حضرت نے فرمایا: مجھ سے اب محنت کا کام نہیں ہوتا، میں پڑھانا چھوڑ چکا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا: نہیں جی ہم نے فیصلہ کرلیا ہے آپ نے ضرور پڑھانا ہے۔ ہمیں اور طلباً کو اس کی ضرورت ہے۔ معمولی سی ردوکد کے

بعد حضرت شہید نے فرمایا: آپ کے حکم کو کون ٹال سکتا ہے، جیسا آپ کا حکم۔ اس طرح کافی عرصہ کے بعد حضرت شہید اپنے مرشد اور مربی محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی مسند حدیث پر تشریف فرما ہوئے تو اس مسند کی رونق دوبالا ہوگئی۔ ایسا محسوس ہونے لگا کہ حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا درس دوبارہ شروع ہوگیا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسند بنوری کو جو زینت بخشی تو شہادت سے ایک دن قبل تک آپ اس منصب کا حق نبھاتے رہے اور اگر شہادت پر فائز نہ ہوتے تو یہ سلسلہ اب بھی چل رہا ہوتا۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ابتدائی تدریس! یہ دور آپ کی جوانی بلکہ نوجوانی کا دور تھا۔ اس میں آپ نے جو تدریس کی اس میں تربیت اور طلبا میں علم کو راسخ کرنے کا جذبہ کارفرما تھا۔ اس لئے حضرت نہ صرف خود بہت زیادہ محنت فرماتے بلکہ طلبا پر بھی تعلیم کے سلسلے میں بہت زیادہ سختی فرماتے۔ اس دور کے شاگرد مولانا محمد اسلم، مولانا ضیاء الدین آزاد، مولانا محمد حسین حسین پوری، مولانا عبدالشکور مرحوم، مولانا محمد شفیع، وغیرہ حضرتؒ کی تدریس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت شہیدؒ سبق پر بہت زیادہ گرفت فرماتے۔ اگر سبق یاد نہ ہوتا تو بعض اوقات سخت سزائیں بھی دیتے، بعض دفعہ پٹائی بھی کرتے تھے۔ خود حضرت اکثر اس کا تذکرہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے میں نے کئی طلبہ کی پٹائی بھی کی، یہی وجہ ہے کہ آپ سے ابتدائی دور میں پڑھنے والے طلبا باوجود بڑے بڑے عالم دین اور بڑے منصب پر پہنچنے کے آپ سے بہت زیادہ رعب میں رہتے اور آخری وقت تک آپ سے کھل کر گفتگو نہیں کرسکتے تھے۔ اکثر یہ حضرات کہتے کہ تم لوگ تو حضرت کے ساتھ اس طرح گفتگو کرلیتے ہو، ہم لوگ تو نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بارہا یہ حضرات اپنے مافی الضمیر سے حضرت کو آگاہ کرنے کیلئے آج کل کے شاگردوں کی مدد لیتے۔ اس دور میں آپ نے ایک دن میں کئی کئی کتابیں پڑھائیں۔ بہت تحقیق کے ساتھ کتاب کے پورے مفہوم سے طلبا کو آگاہ کرتے، ان کو کتاب ذہن نشین کراتے اور دوسرے دن سنتے۔ طلبا کو مطالعہ کے ذوق و شوق کی رغبت دلاتے۔ کام کرنے کی طرف متوجہ کرتے۔ جو طلبا درس سے بے رغبتی کرتے آپ کو اس پر بہت زیادہ افسوس ہوتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کو تعلیم کا شوق نہ ہو؟ اس کا تصور نہیں کیا

جاسکتا۔ طلباً کو پڑھنے کے ساتھ لکھنے کی بھی ترغیب دیتے۔ فارغ ہونے والے حضرات کو تدریس پر لگاتے۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس کا دوسرا دور بڑی کتب کی تدریس کا دور تھا جس کا زیادہ حصہ جامعہ رشیدیہ یا جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں گزرا۔ یہ دور حضرت کی تصنیف و تالیف کا دور تھا۔ آپ فجر کے بعد سے لے کر رات بارہ بجے تک تصنیف میں لگے رہتے۔ اس دوران آپ احادیث شریف کے دو یا تین سبق پڑھاتے۔ جامعہ بنوری ٹاؤن میں حدیث کی صرف ایک کتاب ابو داؤد شریف یا طحاوی شریف کا آپ درس دیا کرتے تھے۔ اکثر رات بارہ بجے تک آپ کتاب کا مطالعہ فرماتے۔ سبق کے گھنٹے سے پانچ یا دس منٹ بعد درس گاہ میں تشریف فرما ہو جاتے۔ طلباً میں سے کسی سے عبارت پڑھواتے پھر بہت ہی دھیمے انداز میں عقیدت و محبت میں ڈوب کر آپ احادیث شریف کا ترجمہ اور تشریح فرماتے۔ وقفہ وقفہ سے آپ طلباً کی طرف نگاہ اٹھا کر ایک خاص التفات سے مسکراہٹ بکھیرتے تو پوری درس گاہ روحانیت سے منور ہو جاتی۔ آپ کی نگاہ میں ایسی تاثیر ہوتی کہ ہر طالب علم آپ کی محبت کا اسیر ہو کر رہ جاتا۔ اطمینان سے روزانہ اتنا سبق پڑھاتے کہ وقت مقررہ پر کتاب ختم فرما دیتے۔ اعمال والی احادیث پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے۔ طلباً کو مسنون ہیئت کے ساتھ رہنے کی ترغیب دیتے۔ آخری دنوں میں طلباً میں ایک ایک پگڑی تقسیم کرتے اس طرح عمامہ کی متروک سنت آپ عملی طور پر جاری فرماتے۔ احادیث کی تطبیق اس انداز میں فرماتے کہ سننے والے کو آسانی سے ذہن نشین ہو جاتی۔ اکابر علماً کرام کے مسلک کی وضاحت فرماتے ہوئے اکابر کی تشریح پر اعتماد کرنے کا حکم دیتے۔ ہمیشہ فرماتے کہ اکابر علماً کرام کے مقابلہ میں اپنی تحقیق کو ایک طرف پھینک دو۔ مثالوں سے واضح فرماتے کہ اکابر کے طریق سے ہٹنے والے اکثر گمراہ ہو گئے۔ اکثر طلباً آپ سے بیعت بھی فرماتے۔ ایسے طلباً کو اذکار و اعمال کی تلقین بھی فرماتے۔ طلباً کو مولوی فاضل یا عصری علوم پڑھنے سے بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے۔ اور طلبہ میں مولویت کوٹ کوٹ کر بھرنے کی کوشش کرتے۔ آپ کا تدریسی دور بلاشبہ اکابر اسلاف کے طرز کے مطابق مثالی دور تھا، جس میں ہزاروں طلباً نے آپ سے فیض حاصل کیا اور اس وقت پوری دنیا میں علوم دینیہ کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ پاکستان اور بیرون پاکستان یہ طلباً حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کو جاری

رکھے ہوئے ہیں، بلاشبہ یہ حضرت شہیدؒ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔

تصنیف و تالیف :

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے رفعت و بلندی کے اوجِ ثریا اور آپؒ کی عزت و شہرت کے سورج کو نصف النہار تک پہنچایا تھا، اس میں آپ کی مقبولیت عنداللہ کے علاوہ آپ کے قلم کی جولانی کا بہت زیادہ دخل تھا۔ آپ کی تحریرات دنیا کے ہر گوشے میں پڑھی جاتی رہیں اور اب تک پڑھی جارہی ہیں۔ جیسا کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا کہ تحریر کا آغاز تو میں نے طالب علمی کے دور سے کر دیا تھا۔ زمانہ طالب علمی میں آپ نے مشکوٰۃ کی شرح تحریر فرمائی جیسا کہ آپ نے خود اپنے تذکرے میں فرمایا ہے۔ یہ شرح آپ نے کس انداز میں لکھی ہوگی اور کیوں شائع نہیں ہوئی؟ اس کا علم حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی کو نہیں۔ البتہ حضرت اس کو طبع زاد فرمایا کرتے تھے اور سفر کے دوران وہ کہیں ادھر ادھر ہوگئی۔ آپ نے اس کا نام "التقریر الصحیح" تجویز فرمایا تھا۔ اگر محفوظ ہوتی تو حضرت اس پر بہت کام کر سکتے تھے مگر مقدرات کے فیصلے اپنی جگہ اٹل ہوتے ہیں۔ آپ کی تحریر کا یہ دور ۵۳، ۱۹۵۴ء کا ہے۔ ۱۹۵۵ء میں آپ دستار فضیلت حاصل کر کے تدریس کیلئے روشن والا تشریف لے گئے۔ تقریباً آٹھ، دس سال آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا اس کا سراغ نہ مل سکا اور نہ ہی حضرت نے ہی اس کے بارے میں کچھ فرمایا۔ اسی طرح "التقریر الصحیح" بھی دستیاب نہ ہو سکی۔ ان حالات سے بظاہر ایسا محسوس نہیں ہوتا تھا کہ حضرت کبھی قلمی میدان کی طرف بھی رخ کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میدان میں آپ سے جو کام لینا تھا اس کیلئے آپ کے قلب میں داعیہ پیدا کرنے کا پہلے ہی سے انتظام فرمایا تھا، بس وقت اور چنگاری کا انتظار تھا۔

"بیس بڑے مسلمان" کے مؤلف اور آپ کے ہم درس ساتھی مولانا عبدالرشید ارشد صاحب نے آپ کی وفات کے دوسرے دن جمعہ کے خطاب میں فرمایا کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ طالب علمی کے دور میں ہی جمعہ کے دن مسجد سراجاں ملتان میں حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سننے کے لئے التزاماً جایا کرتے تھے اور حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا کہ آپ دل میں بات اتار دیتے،

خاص کر عقیدۂ ختم نبوت اور تردید قادیانیت کے موضوع کو تو ایسے دلنشین انداز میں مثالوں سے واضح کرتے کہ آپ کی تقریر سننے والا ختم نبوت کا مبلغ بن جاتا اور علمأ کرام کو تو آپ خصوصیت کے ساتھ اس فتنے کی طرف متوجہ کرتے۔ یہ وہ دور تھا کہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ قادیانیت کے تعاقب میں گلی گلی، گوچہ گوچہ لگے ہوئے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر قادیانی چاند پر بھی پہنچ جائیں تو میں ان کا تعاقب کروں گا۔ شہید اسلام کے ذہن و قلب میں عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کا مشن اس وقت اور راسخ ہو چکا تھا۔ اسی بنا پر ۱۹۶۳ء کے اواخر میں جب ماموں کانجن میں آپ تدریس انہماک سے مصروف تھے اور شام کو تفریح طبع کے لئے ایک دوست مستری ذکر اللہ (لوہار) کی دکان پر تشریف فرما ہوتے اور ہلکی پھلکی گفتگو فرماتے۔ مستری ذکر اللہ اپنے لوہے کی بھٹی میں لوہا گرم کرنے میں مصروف رہتے اور حضرت کی باتوں پر بھی سر دھنتے۔ احراری ہونے کے ناطے قادیانیت کی تردید سے متعلق سوالات بھی فرماتے رہتے۔ غالباً انہی کے یہاں مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے رسالہ صدق جدید دیکھا یا آپ کے مدرسہ میں صدق جدید آتا ہوگا وہاں دیکھا۔ اس میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے مرزائیوں کی حمایت میں ایک شذرہ لکھا تھا۔ غالباً ان کو پوری معلومات نہ تھیں یا آزادی خیال اور وسیع الظرفی کی بنا پر شذرہ لکھ دیا، جیسا کہ روشن خیال لوگوں کا طریقہ ہے۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تذکرہ مستری ذکر اللہ سے کیا۔ دونوں مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے اس شذرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے افسردہ ہوئے اور مستری ذکر اللہ نے حضرت شہید سے درخواست کی کہ وہ اس کے جواب میں مضمون تحریر فرمائیں۔ حضرت نے عذر کیا کہ کہاں میں اور کہاں مولانا عبدالماجد دریا آبادی جیسی دیو ہیکل شخصیت۔ میرے جیسے نو آموز اور غیر معروف شخص کے لئے تو کوئی مضمون لکھنا ہی ممکن نہیں۔ اگر ہمت کر کے قلم گھسیٹ بھی لیا تو کون چھاپے گا۔ دنیا میں بڑے بڑے اکابر موجود ہیں، وہ ضرور جواب لکھیں گے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ اسی دوران دارالعلوم دیوبند نے صدق جدید کے اس شذرہ پر گرفت کرتے ہوئے ایک مضمون شائع کیا مگر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور مستری ذکر اللہ مرحوم کو اس مضمون سے تشفی نہیں ہوئی اور مستری ذکر اللہ نے حضرت شہیدؒ کو مجبور کیا کہ آپ اس کا جواب ضرور لکھیں۔ حضرت شہیدؒ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور مانع مولانا عبدالماجد دریا بادی کا احترام تھا ورنہ حضرت

مولانا محمد علی جالندھری کی طرف سے ودیعت کردہ جذبہ عقیدۂ تحفظ ختم نبوت آپ کو چین نہیں لینے دیتا تھا اور آپ اس پر بہت زیادہ کڑھتے ہوئے کسی مدلل جواب کے منتظر تھے اور اس کیلئے مختلف رسائل کا مطالعہ کرتے رہے مگر ہر ایک نے مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے احترام میں خاموشی کو مناسب سمجھا۔ ادھر مستری ذکراللہ کی احراری حمیت ان کو چین نہ لینے دیتی اور وہ حضرت شہیدؒ سے اصرار کرتے۔ اس اصرار نے مہمیز کا کام دیا اور حضرت شہیدؒ نے بالآخر قلم اٹھایا۔ ہاتھ اور قلم اس پہلی حرکت کے منتظر تھے۔ ادھر ہاتھ حرکت میں آیا ادھر قلم اٹھا، دوسری جانب دل و دماغ کی اسکرین پر مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے ودیعت کردہ علوم تیزی سے ابھرنے لگے اور خیالات اور علوم و معارف کا سمندر طوفان نوح اور سیل رواں کی طرح اترنا شروع ہوا کہ ہاتھ اور قلم اس کی تیزی کے آگے عاجز آگئے۔ یوں ایک طویل اور محقق و مدلل مضمون جواب میں تیار کر کے ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کو ارسال فرمادیا۔ اس تحریر کے ساتھ کہ ایک طالب علم کے دل کی بھڑاس قرطاس ابیض پر منتقل ہوگئی ہے، تصحیح فرما کر اسے رسالہ میں شائع کردی جائے۔ مگر قدرت کی فیاضی جوش میں تھی۔ محمد یوسف لدھیانوی کا سفر ترجمانِ علمائے حق و لسان ختم نبوت کا آغاز ہو رہا تھا اس لئے قبولیت کے دروازے کھل رہے تھے۔ جواب تو کیا آتا ماہنامہ دارالعلوم آیا تو حضرت شہید کے مضمون کی پہلی قسط بغیر کسی قطع و برید کے من و عن شائع ہو چکی تھی۔ اس مضمون کی اشاعت نے آپ کے قلمی جواہر کو مستری ذکراللہ کے علاوہ علمائے حق پر بھی کھول دیئے اور احباب نے آپ کو اس طرف متوجہ کرنا شروع کردیا۔ صدق جدید کا شذرہ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا جبکہ آپ کا مضمون ستمبر ۱۹۶۳ء اور جنوری ۱۹۶۴ء میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔ آغاز سفر جب اتنا مبارک اور مقبولیت عنداللہ کا آئینہ دار ہو تو اس کے اثرات کا دنیا پر ظاہر ہونا منطقی نتیجہ تھا۔ مضمون نگاری کا آغاز ہی اتنے بڑے قلمکار اور صاحب علم شخصیت کے خیالات کی تردید سے ہو تو علم و ادب اور الفاظ اور دلائل کے اعتبار سے مضمون نگار کی مہارت کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو اس شعبہ سے تعلق رکھتا ہو۔ بہر حال قلم کی گرد چھٹی تو آپ کے قلم نے رکنے کا نام نہ لیا۔ مضمون کی اشاعت کے ساتھ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر ماہنامہ دارالعلوم کے مدیر اور دارالعلوم دیوبند کے مخلص ترین بزرگ مولانا سید ازہر شاہ قیصر نے، جنہوں نے آپ کی تحریر میں پوشیدہ جوہر کو محسوس

کرلیا تھا درخواست کی کہ فتنہ انکار حدیث پر بھی ایک مدلل مضمون فوری طور پر ارسال فرمائیں۔ حضرت شہید کے لئے یہ حکم سرمایہ زندگی کی حیثیت رکھتا تھا اور ایک ایسا اعزاز تھا، جو کسی نئے لکھنے والے کو بہت ہی کم ملا ہوگا۔ فوری طور پر ایک مضمون فتنہ انکار حدیث ہی کے عنوان سے لکھ کر ارسال کر دیا جسے مولانا سید ازہر شاہ قیصر نے فوری طور پر شائع فرمایا۔ یہ مضمون اتنا پسند کیا گیا کہ جمعیت علماء اسلام کے رسالہ ترجمان اسلام جو حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی اور مجاہد اسلام مولانا غلام غوث ہزاروی، مفکر اسلام مولانا مفتی محمود جیسے اکابر کی نگرانی اور ڈاکٹر احمد حسین کمال جیسے تجربہ کار لکھاڑی اور صاحب قلم کی زیر ادارت شائع ہو رہا تھا اور پاکستان بھر کے علماء کرام کا ترجمان تھا، میں بھی شائع ہوا اور جمعیت علماء اسلام سرگودھا کے ذمہ داروں نے کتابچہ کی شکل میں طبع کرا کر اس کو ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا۔ ایک مضمون نگار کی مہارت اور مقبولیت عند اللہ کا اس سے زیادہ مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

۱۹۶۲ء میں جنرل ایوب خان اپنی شہرت کے نصف النہار پر تھے کہ ان کے دل و دماغ میں ان کے حواری اور خوشامدی ٹولے نے اس کو اکبر اعظم بنانے کا خناس بھرنا شروع کیا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور غلام احمد پرویز جیسے منکرین حدیث اور ماڈرن اسلام کے علمبردار اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ پاکستان کے اسلامی تشخص کو اسلام کے نام پر ختم کرنے کا منصوبہ ترتیب دیا گیا۔ سرکاری سرپرستی میں ادارہ تحقیقات اسلامی قائم کر کے اسلام کے مسلمات کو ختم کرنے کا پروگرام بنالیا۔ سرکاری ماہنامہ آرگن "فکر و نظر" کے ذریعہ اسلامی احکامات کی تنسیخ و تحریف کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ الامان الحفیظ۔ محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کیلئے یہ صورتحال ایسی نہ تھی کہ وہ میدان عمل میں نہ کود پڑتے۔ ان حضرات نے ان کا تعاقب شروع کیا اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور غلام احمد پرویز کے افکار جمع کر کے اس کے خلاف پورے پاکستان کے علماء کرام سے فتاویٰ حاصل کئے اور متفقہ فتویٰ کے عنوان سے کتابی شکل میں ان کو شائع کر دیا گیا۔ دوسری طرف ماہنامہ بینات کو اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے مختص کر دیا۔ شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے ان دنوں کا نقشہ اس انداز میں کھینچا ہے :

"ان دنوں فیلڈ مارشل ایوب خان "پاکستان کا اکبر بادشاہ" بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس کے بعض ملحد رفقاً ابو الفضل اور فیضی کا کردار ادا کر رہے تھے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی ان کی کمین گاہ تھی جہاں استشراقی افکار کی آری سے اسلام کی جڑیں کاٹنے کیلئے دن رات کام ہو رہا تھا۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کا ماہنامہ تو ان دنوں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے الحاد اور نفاق کا خصوصی ترجمان تھا ہی اس کے علاوہ دیگر اخبارات و رسائل میں بھی ان کے ملحدانہ افکار وسیع پیمانے پر شائع ہو رہے تھے۔

ادھر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ماہنامہ بینات کراچی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے خلاف میدان جہاد میں اترا ہوا تھا۔ بینات کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت بنوریؒ کی تمام تر ظاہری و باطنی قوتیں فضل الرحمانی فتنہ کا سر کچلنے پر مرکوز ہیں۔"

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ماموں کانجن کے اس دور افتادہ قصبہ میں ماہنامہ بینات کا مطالعہ فرماتے تھے اس لئے ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس کے ملحدانہ نظریات کے پرچار کی وجہ سے سخت مضطرب ہو گئے اور بے ساختہ اپنا درد دل ایک خط کے ذریعہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ پر ظاہر کر دیا۔ حضرت کے جواب میں تاخیر ہوئی تو ایک دوسرا عریضہ اسی مضمون کا ارسال کیا کہ حضرت آپ اکابر ہی اس الحاد و زندقہ کے سیل کے آگے بند باندھ سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل مکتوب ارسال فرمایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر محترم..... لکل خیر و سعادۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامہ کرم نے مشرف کیا۔ آپ کا پہلا کرم نامہ بھی آیا تھا لیکن میں اس وقت ٹائیفائڈ بخار میں صاحب فراش تھا۔ مراسلات اور لکھنے پڑھنے سے معذور تھا۔ بخار طویل ہو گیا۔ کوئٹہ تبدیلی آب و ہوا کیلئے جانا پڑا۔ اسی طرح آمدہ خطوط کے ڈھیر میں مکتوب دوبارہ نہ دیکھ سکا۔ آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا سب درست ہے۔ آپ کے دینی جذبات اور دینی احساسات سے بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان مبارک خیالات کو امت کیلئے نافع بنائے اور مثمر

فرمائے۔ آمین۔ انہی مقاصد کے پیش نظر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے ساتھ مل کر "دعوت و اصلاح" کے نام سے ایک ادارہ کی تشکیل کی گئی ہے۔ مطبوعہ پمفلٹ ارسال کیا جائے گا۔ بہر حال دعا کریں۔ غفلت یا تغافل نہیں، مؤثر تدبیر زیر غور ہے۔ اس وقت اتنا ہی لکھ سکتا ہوں۔

والسلام

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ"

حضرت شہیدؒ کے جذبات کیلئے یہ خط رحمت کے جھونکے کی طرح ٹھنڈک کا باعث ہوا اور آپ کو اطمینان قلبی نصیب ہوا۔ اس طرح آپ کے اور مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اس رشتہ محبت کا آغاز ہوا جس کے ثمرات اگلے برسوں میں امت کے سامنے ظاہر ہوئے اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے آخری الفاظ اور دعا کی مقبولیت دنیا کے سامنے ظاہر ہوئی جس سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مستجاب الدعوات اور حضرت شہیدؒ کے بقول مقبولیت عنداللہ ہونے کا اندازہ ہوا۔ بہر حال حضرت کے اس خط کے بعد شہید اسلام حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ماہنامہ بینات میں سے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ملحدانہ اقتباسات کی روشنی میں ایک تردیدی مضمون تحریر فرمایا، جس کا عنوان "ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا تحقیقاتی فلسفہ اور اس کے بنیادی اصول" تجویز کیا۔

بقول حضرت شہید میں نے اس کی ایک نقل حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی مدیر ماہنامہ بینات کو بھیج دی۔ چونکہ یہ ناکارہ اس میدان میں بالکل اناڑی تھا اور اس مضمون میں بعض نازک تعبیرات آگئی تھیں اس لئے مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں میرا قلم جادۂ استقامت سے بھٹک نہ گیا ہو۔ اس لئے میں نے حضرت مولانا میرٹھی مدظلہ العالی سے درخواست کی کہ اس مضمون کو ایک نظر دیکھ لیا جائے اور کوئی چیز اصلاح طلب نظر آئے تو اس کی اصلاح فرمادی جائے۔ اس ناکارہ کے وہم و خیال میں بھی نہیں تھا کہ یہ مضمون بینات میں چھپ سکتا ہے۔ مدعا صرف یہ تھا کہ اگر اس کی تصحیح و تصویب فرمادی جائے تو کسی اور پرچے میں چھاپ دیا جائے گا، لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میرے منسلک عریضہ کے جواب میں نہ صرف یہ کہ مدیر بینات کا گرامی نامہ موصول ہوا بلکہ اس کے ساتھ میرے حضرت اقدس شیخ بنوری کا کرامت نامہ بھی تھا کہ تمہارا

مضمون پسند آیا۔ تم رمضان المبارک ہمارے پاس گزارو۔ اگر یہ تعلق مستقل ہو جائے تو بہت ہی بہتر ہوگا۔"

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کے اندر تواضع اور کسر نفسی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ باوجود دار العلوم دیوبند، ترجمان اسلام جیسے وقیع اور بڑے رسالوں میں مضامین کی اشاعت کے کسی گوشے میں بھی یہ تصور نہیں تھا کہ میرا مضمون بینات میں قابل اشاعت ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ابتدا ہی سے علماً حق کے ساتھ وابستگی اور ان کی تحقیق پر اعتماد کو ذریعہ نجات تصور کرتے تھے اور کسی صورت میں اپنی تحقیق اور تحریر پر اعتماد نہیں تھا۔ اسی بنا پر آپ نے فرمایا کہ تعبیرات میں کہیں میرا قلم جادۂ حق واستقامت سے ہٹ نہ گیا ہو اور تحریر و تقریر میں آپ کا یہ طرز زندگی بھر رہا۔ ایک مرتبہ بر منگھم ختم نبوت کانفرنس میں بعض لوگوں نے آپ کے بعض خلفاً پر اشکال کیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کے قائل نہیں ہیں تو اس پر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور پر فرمایا کہ ہمیں اپنی تحقیق پر ذرا بھی اعتماد نہیں۔ ہم نے کامیابی کا گر ابتدا ہی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ اکابر کی تحقیق پر اعتماد کر کے ہی نجات پائی جا سکتی ہے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے آب حیات میں جو مسلک حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں واضح فرمایا ہے ہم اس پر قائم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں حیات ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں۔ بہر حال یہ تو جملہ معترضہ کے طور پر آگیا بات ہو رہی تھی حضرتؒ کے مضمون کی۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مضمون آپ کی زندگی کا وہ عظیم موڑ ثابت ہوا جس نے بعد میں آپ کو محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا "ہم نام اور ہم کام" بنا دیا۔ شہید اسلام نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رمضان المبارک کے قیام کے جواب میں فرمایا کہ رمضان المبارک چونکہ والد صاحب کے پاس گزارتا ہوں، اس لئے وہ تو کراچی آنے کی اجازت نہیں دیں گے، البتہ یکم شعبان کو تعطیل ہوتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ چنانچہ آپ وعدہ کے مطابق حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حاضری کے موقع پر فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ تم مستقل

میرے پاس آجاؤ اور ایک سال کے لئے ماموں کا نجن والوں سے چھٹی لے کر اگلے سال شوال سے میرے یہاں کام شروع کرو۔ ماہنامہ بینات تمہارے سپرد کر دیا جائے گا۔ حضرت شہید نے عرض کیا میرے معاملات حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت پر موقوف ہیں، کیونکہ میں نے اپنی زندگی کا لائحہ عمل طے کیا ہوا ہے کہ خود کوئی فیصلہ نہیں کروں گا تاکہ خودرائی اور آزاد فکری پیدا نہ ہو اس لئے فارغ ہوتے ہی حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی کرلی اور اپنے معاملات بھی ان کے سپرد کر دیئے۔ انہوں نے ہی پہلے روشن والا اور اب ماموں کا نجن بھیجا ہے۔ آپ ان سے فرمادیں وہ حکم دیں گے تو بصد شوق حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ حضرت نے نہایت بشاشت سے فرمایا کہ ہم حضرت جالندھریؒ کو خط لکھیں گے اور وہ ضرور اجازت دیدیں گے۔ ۲۸ / شعبان المعظم کو حضرت شہید رخصت ہونے لگے تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لفافہ میں دو سو روپے ہدیہ پیش کیا۔ حضرت شہید نے عرض کیا کہ حضرت میں اپنا کرایہ لے کر آیا تھا، اس کی ضرورت نہیں (اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ شروع ہی سے مستغنی عن الدنیا تھے)۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ کرایہ نہیں میری طرف سے ہدیہ ہے۔ حضرت شہید نے فوراً قبول فرمایا۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا بارہا بعد میں تذکرہ کیا کہ تمہارے اس انکار نے ہی گھائل کر دیا تھا۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جالندھری کو خط تحریر فرمایا۔ جواب میں تاخیر پر حضرت شہید کو خط لکھا کہ وہ میرے خط کے حوالے سے حضرت جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کا عندیہ معلوم کریں۔ حضرت شہید نے دستی خط حضرت جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کیا جس کے جواب میں حضرت جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو جواب لکھ رہا ہوں، تمہارا کچھ عرصہ کے لئے کراچی رہنا مفید ہے۔ حضرت جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کے بعد حضرت شہید ماموں کانجن سے ایک سال کی رخصت لے کر شوال ۱۳۸۶ھ میں کراچی روانہ ہوگئے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سبق کے ساتھ بینات مکمل حضرت شہید کے حوالے کر دیا۔ ایک سال مکمل ہونے پر شعبان ۱۳۸۷ھ میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سے فرمایا کہ آپ بال بچوں کو لے کر کراچی آجائیں اور مستقل یہیں قیام کریں۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اس وقت بچوں کے ہمراہ کراچی آنا ممکن نہیں تھا

اس لئے معذرت فرمائی تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پھر بینات کی تدوین کے لئے ہر ماہ دس دن آپ ہمیں دے دیں۔ حضرت شہید کیلئے اس تجویز کے قبول کرنے میں کوئی مانع نہیں تھا اس لئے یہ تجویز قبول فرمالی۔ اور ماموں کانجن کے مدرسہ والوں سے اس تجویز پر بات کی تو انہوں نے دس دن کی رخصت ہر ماہ قبول کرنا اپنے مدرسہ کے مصالح کے لئے مناسب نہ سمجھا۔ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے مولانا فاضل رشیدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تجویز کو خوشی قبول فرمایا اور اس طرح حضرت شہید کا احیاً العلوم ماموں کانجن کا تدریسی سفر جامعہ رشیدیہ ساہیوال کی طرف منتقل ہو گیا۔ جامعہ رشیدیہ کا شمار اس وقت پاکستان کے بڑے مدارس میں ہوتا تھا۔ حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب رائے پوری، حضرت علامہ غلام رسول صاحب، حضرت مولانا مقبول احمد، حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب فاضل رشیدی اور حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمہم اللہ جیسے اکابر کے اخلاص، تواضع اور شفقت و محبت کی برکت سے جامعہ رشیدیہ کی فضا رشک جنت تھی۔ اس ماحول میں آپ بیس دن تدریس کے ذریعہ طلباً کو فیضیاب کرتے اور دس دن کراچی میں بینات کی تدوین و ترتیب کر کے رسالہ پریس میں بھیج کر روانہ ہو جاتے۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دور انتھک محنت کا دور تھا۔ جامعہ رشیدیہ میں کئی کتابوں کی تدریس کے لئے گھنٹوں مختلف شروحات کا مطالعہ اور اس کے ساتھ بینات میں شائع ہونے والے مضامین کی تصحیح و ایڈیٹنگ اور اس کے ساتھ دیگر رسائل کا مطالعہ تاکہ ماہنامہ بینات کی علمی ساکھ کو برقرار رکھا جاسکے۔ گرمی ہو یا سردی ہر ماہ دس دن کے لئے کراچی کا سفر اور وہ بھی ریل گاڑی کے تھرڈ کلاس میں۔ اکثر آپ کو برتھ نہیں ملتی تھی تو بیٹھ کر سفر فرماتے۔ دیکھنے والوں کو اندازہ ہے کہ حضرت ۲۴ گھنٹے میں صرف عصر کے بعد حضرت کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے۔ اس کے لئے پورا وقت آپ کا ایک کمرے میں گزرتا تھا۔ رنگین دھوتی اور بنیان میں ملبوس ایک شخصیت اپنی سوچوں میں منہمک وضو خانہ پر آتی جاتی نظر آتی۔ اس کے علاوہ آپ ہمہ تن کام میں مشغول رہتے۔ مضامین کی تصحیح، کتابت کی پروف ریڈنگ، اس کے بعد فلمیں بنوا کر کاپی لگوانا، کاپیوں کی چیکنگ کے بعد پریس روانہ کرنا اور پھر دوبارہ ریل کے ذریعہ جامعہ رشیدیہ پہنچ کر تدریس میں مشغول ہونا۔ اس زمانہ کے رفقاً کہتے ہیں کہ عصر کے وقت کے علاوہ آپ کسی سے گفتگو نہیں کرتے تھے۔ خود حضرت نے ارشاد فرمایا یار لوگ آتے اور گھنٹوں بیٹھ کر چلے جاتے اور بعد میں خط

کے ذریعہ شکوہ کرتے کہ ہم گھنٹوں بیٹھے رہے اور تم نے سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ واقعی اس زمانہ میں حضرت شہید نے اپنے شیخ و مرشد مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی وہ سنت ادا کردی جو بذل المجہود کی طباعت کے موقع پر تھانہ بھون میں ان کی کیفیت ہوتی تھی جس پر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی رشک فرماتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس دور میں آپ کے ہم عصر بھی آپ کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے اور اکابر علماء کرام آپ سے محبت کا اظہار کرتے۔ ماہنامہ بینات علمی رسالوں میں سب سے مقبول اور معیاری علمی رسالہ تھا۔ اس میں آپ کے مضمون کی اشاعت سے آپ کی علمی اور تحریری شہرت پاکستان میں پھیلنی شروع ہوئی۔ دوسری طرف محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اعتماد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ حضرت بنوریؒ ہر سال شعبان میں آپ پر اصرار فرماتے کہ بال بچوں کو لے کر مستقل کراچی آجاؤ، مگر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ عذر کردیتے۔ اس سلسلہ میں حضرت شہید نے اپنی ایک تحریر میں لکھا کہ دراصل میں کراچی کے اخراجات اور بچوں کے معاملات کی دیکھ بھال سے خوف زدہ تھا، لیکن حضرت کے سامنے اس کا اظہار کرتا تو حضرت فوری رقم کا بندوبست فرماتے جو میری غیرت کو گوارا نہ تھا۔ حضرت بنوریؒ اس بارے میں اتنے زیادہ فکر مند اور سنجیدہ تھے کہ ایک مرتبہ جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص اور معتمد اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل صاحب امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن کے حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے موقع پر کراچی تشریف لائے ہوئے تھے تو حضرت بنوری، حضرت مولانا نافع گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عزیر گل صاحب تشریف فرما تھے کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔

حضرت شہید نے محبت و عقیدت سے لپک کر مصافحہ کی سعادت حاصل کی ادھر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شہید کا تعارف شروع کرادیا کہ یہ میرے ہم نام میرے رفیق ہیں، بہت ہی اونچے درجے کے عالم اور صاحب قلم ہیں، بینات کے مدیر ہیں، اور ان کی وجہ سے ہمیں بہت زیادہ راحت و آرام ہو رہا ہے، بینات کا مکمل کام انہوں نے سنبھال لیا ہے اور بہت مشقت و محنت کر کے دور دراز سے سفر کر کے صرف بینات کی خاطر دس دن کی کے لئے تشریف

لاتے ہیں۔ حضرت ہم ان سے درخواست کررہے ہیں کہ یہ ہمارے مدرسہ میں مستقل قیام کے لئے آجائیں لیکن یہ عذر پیش کرتے ہیں۔ آپ ان سے کہئے کہ یہ مستقل طور پر ہمارے یہاں تشریف لے آئیں اور دعا بھی فرمائیں۔

حضرت شہید فرمایا کرتے تھے کہ میرے مخدوم حضرت میری حوصلہ افزائی میں بہت ہی اونچے الفاظ فرمارہے تھے اور میں شرم وحیا کی وجہ سے زمین میں گڑا جارہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ میرے حضرت کو مجھ سے کتنا تعلق ہے؟ اور میرا مدرسہ میں قیام ان کے نزدیک کتنا اہم مسئلہ تھا جس کے لئے وہ وقت کے سب سے عظیم اور بزرگ ترین انسان سے مجھے کہلوا رہے تھے۔ میں کافی عرصہ تک اس گتھی کو نہ سلجھا سکا۔ ایک دفعہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی اس کی طرف اشارہ فرمادیا اور ایک ملاقات میں میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا:

"میں آپ کو اور مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی کو اپنے مدرسہ کا مدار سمجھتا ہوں"۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اعتماد کا اندازہ حضرت کے اس جملہ سے بھی بخوبی ہوسکتا ہے کہ آپ نے ایک دفعہ آپ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا: "یہ میرے ہم نام بھی ہیں اور ہم کام بھی ہیں"۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم ایک دفعہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے جامعہ خیر المدارس تشریف لائے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت تپاک سے خیر مقدم کیا۔ ملاقات کے بعد دریافت فرمایا کہ کتنے صاحبزادے ہیں؟ والد صاحب نے فرمایا چار۔ حضرت بنوریؒ نے فرمایا پانچواں محمد یوسف بنوری۔ اس سے حضرت بنوری کے لطف وشفقت اور محبت واعتماد کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بہر حال حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری اور علماً پاکستان کے اعتماد کے ساتھ قلمی میدان میں ترقی کے منازل طے کرتے رہے۔ ۱۳۹۱ھ تک بینات کی مکمل تدوین وترتیب آپ کے ذمہ تھی، مگر چند مضامین کے علاوہ چھ سال میں آپ نے مستقل طور پر کوئی تحریری سلسلہ شروع نہیں کیا۔ ۱۳۹۱ھ میں آپ نے "سیرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ" (عربی) کا ترجمہ تسلسل کے ساتھ شروع کیا جو اردو زبان میں پہلی معرکۃ الآراء کتاب تھی

جس میں لفظی ترجمے کے بجائے کتابی انداز میں تسلسل سے بہت آسان اور عام فہم زبان میں عنوانات کے ذیل میں مفہوم کو ادا کیا گیا تھا جس کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ نہیں بلکہ کوئی نئی کتاب ہے۔ صفر ۹۱ھ سے ربیع الثانی ۹۲ھ تک یہ مضمون مسلسل بینات میں شائع ہوا اور بعد میں مستقل کتابی شکل میں ماہنامہ بینات کی جانب سے ہی بھی شائع ہوئی۔ اس کتاب کی تکمیل کے بعد محرم الحرام ۱۳۹۳ھ سے آپ نے علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھی کی مرتب کردہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب "بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ" کا ترجمہ شروع کیا، جس میں انہوں نے تمام واقعات کو سن کے لحاظ سے مرتب فرمایا تھا اور اس کی تکمیل کے بعد دوسرے سلسلے شروع فرمائے۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء تک یہ سلسلہ چلتا رہا کہ آپ دس دن بینات کی تدوین کے لئے تشریف لاتے اور بقیہ ایام جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں تدریسی خدمات انجام دیتے اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش کے باوجود آپ کراچی مستقل تشریف نہ لائے۔ ۱۹۷۴ء میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ختم نبوت کے امیر بنے اور آپ کی قیادت میں تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء کامیاب ہوئی تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر جامعہ رشیدیہ والوں نے حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو دفتر ختم نبوت ملتان کے لئے جانے کی اجازت دے دی، اس طرح اب حضرت شہیدؒ بیس دن دفتر ختم نبوت ملتان تشریف فرما ہوتے اور دس دن بنوری ٹاؤن میں بینات کی تدوین کے لئے تشریف لاتے۔ دفتر ختم نبوت میں قیام کے دوران آپؒ نے ردِ قادیانیت پر تمام کتابوں کا بھرپور مطالعہ کیا اور آپ کے پہلے مضمون کا محرک ابھر کر سامنے آیا اور اس کے بعد آپ کے قلم کی جولانی عقیدۂ تحفظ ختم نبوت کے تحفظ اور ردِ قادیانیت پر اتنی مرکوز ہوئی جو بعد میں ترجمان ختم نبوت یا لسان ختم نبوت پر منتج ہوئی۔ (اس کا تفصیلی تذکرہ "ختم نبوت میں خدمات" کے عنوان سے کیا جائے گا) یہ سلسلہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات تک چلتا رہا۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ ۱۷/ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو اسلام آباد میں ہوئی جب آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سانحہ پورے عالم کے مسلمانوں کے لئے عظیم سانحہ تھا مگر جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن اور اس کے متعلقین کے لئے اور خصوصاً امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، مولانا محمد ادریس میرٹھی، شہید

اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا سید مصباح اللہ شاہ، ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، مولانا محمد بنوری اور دیگر اساتذہ کرام کے لئے کسی قیامت سے کم نہ تھا۔ ہر ایک کی دنیا لٹ گئی تھی۔ کافی عرصہ تک ہوش و حواس کسی کے قابو میں نہ رہے۔ اساتذہ کرام نے مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کی وصیت کے مطابق جانشینی کے طور پر قبول کر لیا تھا، مگر حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اس بار امانت کو سنبھالنا ایک مشکل ترین مرحلہ تھا۔ انہوں نے پتہ نہیں کس لجاجت اور منت و سماجت سے حضرت شہیدؒ کو بنوری ٹاؤن آنے پر راضی کیا۔ یہ حضرت شہیدؒ اور مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے درمیان ایسا راز رہا جس کا اظہار ان دو حضرات نے کبھی نہیں کیا۔ البتہ حضرت شہیدؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ :

"میرے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی دعا یا خواہش کی تکمیل حضرت کی وفات کے بعد ہوئی، شاید تقدیر میں یہی لکھا تھا۔"

اس کے ساتھ ہی حضرت شہیدؒ فرمایا کرتے تھے : "مفتی احمد الرحمٰن اس دور کے ولی ہیں۔"

۱۹۷۸ء میں حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ مستقل قیام کے لئے کراچی تشریف لے آئے اور تدریس کا سلسلہ ختم کر کے اپنے آپ کو تصنیف و تالیف کے لئے مختص کر دیا۔ اب حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا وہ دور شروع ہوا جس کے لئے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا : "تمہارا کراچی جانا مفید ہے۔" اب تک تو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے خادم کی حیثیت سے شریک سفر تھے اور ہم کام کی حیثیت سے بینات کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اب حضرت شہیدؒ کا اپنا دور شروع ہوتا ہے اور اس کا حق وہ کس طرح ادا کرتے ہیں اور اپنے اکابر اسلاف حضرت خیر محمد جالندھری، حضرت بنوری اور اکابر علماً کے اعتماد کی کس طرح پاسداری کرتے ہیں اس کا اندازہ آپ کی تصنیفات سے لگایا جا سکتا ہے، کراچی تشریف آوری کے بعد آپ نے اپنے شیخ و مربی حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ پر بینات نمبر کا اعلان کیا اور اس کے لئے دن رات انتھک محنت کر کے ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ایک عظیم مجلّہ پہلی مرتبہ پیش کیا۔ حضرت شہیدؒ کے مضامین کا انتخاب اور حضرت نفیس شاہ صاحب اور ان کے خدام کی عمدہ کتابت اور تزئین و آرائش

سے نمبر ظاہری وباطنی دونوں خوبیوں سے مزین ہو کر پوری دنیا کے علماً کرام سے خراج تحسین حاصل کرتا ہے اور حضرت شہیدؒ کی وفاداری پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ مئی ۷۸ء میں ادارہ جنگ کے مالک میر شکیل الرحمٰن، مولانا مفتی احمد الرحمٰن، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی سے درخواست کرتے ہیں کہ میں جنگ میں اسلامی صفحہ شروع کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت شہیدؒ کو اس کی ادارت کے لئے اجازت دے دیجئے۔ حضرت شہیدؒ اخبارات کو ایک فضول، لایعنی چیز اور جھوٹ کا پلندا قرار دیتے ہوئے انکار فرماتے ہیں مگر امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ مستقبل پر نگاہ کئے ہوئے ہیں اور ذرائع ابلاغ کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے حضرت شہیدؒ سے فرماتے ہیں :

"آپ نے اس کام کو سنبھالنا ہے" حضرت شہیدؒ مفتی احمد الرحمٰن کے اصرار پر گھٹنے ٹیک دیتے ہیں اور راضی برضا کے تحت اس منصب کو ایک معاون کی شرط کے ساتھ قبول کرتے ہیں (اور مفتی احمد الرحمٰنؒ کی شفقت کہ معاونت کے لئے راقم الحروف کا انتخاب فرماتے ہیں) شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی اخباری صنعت میں جدت فرماتے ہیں اور مضامین کے ساتھ دینی رہنمائی کے لئے "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے عنوان سے ایک کالم کا آغاز فرماتے ہیں۔ یہ کالم آپ کی دینی خدمات کو عالمی وسعت دینے کا تیسرا مرحلہ ہے۔ کالم کا آغاز ہوتا ہے تو اطراف عالم سے دینی رہنمائی حاصل کرنے والوں کے خطوط کا تانتا بندھ جاتا ہے اور یہ سلسلہ اتنی مقبولیت حاصل کرتا ہے کہ روزانہ سینکڑوں خطوط موصول ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت شہیدؒ نے بلا مبالغہ لاکھوں خطوط کے جواب ان چند سالوں میں مرحمت فرمائے۔ اخبار جنگ میں آپ کے کالم کی اشاعت کے بعد پوری دنیا سے جو مسائل آنا شروع ہوئے ان میں بعض ایسے مسائل بھی تھے جن پر آپ نے تحقیقاتی جواب تحریر فرمائے جو خود ایک کتاب کی حیثیت رکھتے تھے اسی سلسلہ میں آپ کو ایک خط دبئی کے بعض نوجوان دوستوں کی طرف سے ملا جس میں مسلکی اختلافات کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑے کا سبب قرار دے کر اس کے بارے میں واضح جواب مانگا گیا تھا۔ حضرت شہیدؒ نے اس کے جواب میں تمام مسالک کے بارے میں ایک تفصیلی تصنیف "اختلاف امت اور صراط مستقیم" تحریر فرمائی جس میں مسلک حقہ مسلک دیوبند کو ترجیح دے کر مسئلہ کو اس انداز میں بیان کر کے حق واضح کیا کہ بڑے بڑے علماً

کرام نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔ لاکھوں افراد کے ذہنوں کے شکوک و شبہات دور ہوئے ۔ امام اہلسنت ترجمان مسلک دیوبند شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نے اس کتاب کی اشاعت پر آپ کو مسلک دیوبند کا ترجمان قرار دیا۔ اس کتاب پر ایک شیعہ کی طرف سے حضرت شہید پر اعتراض ہوئے تو حضرت شہیدؒ نے اس کا ایک مدلل جواب تحریر فرمایا جو ''شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم'' کے عنوان سے شائع ہو کر کتابی شکل میں منظر عام پر آئی تو علماً دیوبند کے بہترین نقاد و محقق محدث و مفسر حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے حضرت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

> ''میں نے کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو آخر تک پڑھے بغیر چھوڑی نہیں گئی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ تحریر فرمائی تھی تو سو سال تک شیعہ سر پیٹتے رہے لیکن اس کا جواب نہ دے سکے اب انشاء اللہ اگلے سو سال تک آپ کی اس کتاب کا جواب دینے کے لئے سر پیٹتے رہیں گے لیکن ان سے کوئی جواب نہ بن پڑے گا۔''

جنرل ضیاً الحق مرحوم نے دنیا بھر کے علماً کرام کی موجودگی میں کہا کہ: اسلام چودہ سو سال پہلے نافذ ہو چکا ہے ہر انسان کو اس پر خود عمل کرنا چاہئے۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فوری طور پر افتتاحیہ کے عنوان سے اس کا جواب جنگ اخبار میں لکھ کر ''کلمہ حق عند سلطان الجائر'' کا حق ادا کیا۔ آپ کے ان اخباری کالموں کی وجہ سے جنرل ضیاً الحق مرحوم نے میر خلیل الرحمٰن مرحوم پر اتنا دباؤ ڈالا کہ افتتاحیہ کے عنوان سے چھپنے والے اس کالم کو میر خلیل الرحمٰن کو بند کرنا پڑا۔ اسی طرح گونر پنجاب نے ایک مرتبہ دینی مدارس کے خلاف ہرزہ سرائی کی تو حضرت شہیدؒ نے اس کو اخبار ہی کے ذریعہ بانگ دھل للکارا جس پر اس نے معذرت کی۔ جناب احمد ندیم قاسمی صاحب نے ایک مرتبہ دینی مدارس کے طلباً پر پھبتی کسی تو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے قلم کی جولانی جوش میں آئی اور احمد ندیم قاسمی کو اپنا موقف بدلنا پڑا۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن ایک دفعہ حضرت شہیدؒ کے پاس تشریف فرما تھے۔ سودی نظام کے بارے میں جنرل ضیاً الحق مرحوم کے تاثرات پر بات ہو رہی تھی اور انہوں نے واضح کیا کہ سودی نظام کو غیر سودی نظام بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، اس پر انہوں نے حضرت شہیدؒ سے فرمایا کہ آپ اس پر مضمون تحریر

فرمائیں کیونکہ آپ کے قلم کی کاٹ نشتر سے بھی زیادہ سخت ہے۔واقعی جب حضرت شہیدؒ نے سود پر تحریر فرمایااور یہ جملہ ضیاُالحق مرحوم کے لئے لکھا:

> "محترم!شراب کو زمزم کہنے سے،ماں کو بیوی کہنے سے اگر یہ چیزیں حلال نہیں ہو سکتیں تو سودی نظام کو غیر سودی کہنے سے بھی اس کو حلال نہیں قرار دیا جاسکتا۔"

جنرل ضیاُالحق مرحوم کے دور میں دینی مدارس کے نصاب کی تبدیلی اور حکومتی کنٹرول کی بات چلی تو مولانا مفتی احمد الرحمٰن اور مفتی ولی حسن ٹونکی کے اسماُ پر آپ نے جنگ اخبار کے ادارتی کالموں میں بہت سخت تنقیدی مضمون لکھے جو بعد ازاں کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے۔ ان تحریروں کی وجہ سے جنرل ضیاُالحق مرحوم کو اپنے عزائم سے پیچھے ہٹنا پڑااور اس نے علماُ کرام کے ایک اجلاس میں ہاتھ جوڑ کر معذرت کی کہ ہمارا مدارس کو قومی تحویل میں لینے کا کوئی ارادہ نہیں، ہم تو ایک مولانا عبداللہ شہید کی مسجد کو نہیں سنبھال سکتے۔ غرض بینات کے ۶۶ء سے ۲۰۰۰ء تک ۳۴ سال اور جنگ اخبار میں ۱۹۷۸ء سے ۲۰۰۰ء تک ۲۲ سال کا قلمی سفر اتنا عظیم علمی سفر ہے کہ اس کی مثال نہیں۔اس دوران شائع ہونے والی تصانیف کی تفصیلی جھلک اور تعارف مولانا سعید احمد جلال پوری کے مضمون "تصنیفی خدمات" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ میں نے مختصراً ان خدمات کے دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی ہے۔

عام نقاد اور ماہرین علم وادب آپ کی تحریر کے بارے میں جو تجزیہ پیش کرتے ہیں اور عوامی مقبولیت کی وجہ قرار دیتے ہیں،اس میں سب سے زیادہ نمایاں بات یہ ہے کہ آپ کی تحریر کا کوئی لفظ بلا تحقیق اور زائد نہیں کہا جاسکتا۔روانی قلم اور سلاست زباں اور عام فہمی آپ کی تحریر کی ایسی خصوصیت ہے کہ عام آدمی سے لے کر ایک محقق عالم بیک وقت اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ موضوع کا احاطہ جس خوبصورت اور مدلل انداز میں فرماتے اس کی وجہ سے مخالف بھی آپ کی تحریر پر انگلی نہیں رکھ سکتا تھا۔آپ کی تحریر میں اگرچہ نشتر کی سی کاٹ تھی، لیکن اس کے باوجود کوئی بات تہذیب وشائستگی سے گری نہیں ہوتی تھی۔ دینی مسائل میں آپ عالمانہ انداز تحریر اختیار کرنے کے بجائے عام مسلمانوں کے ذہن کے مطابق جواب مرحمت فرماتے،جس کی وجہ سے ہر فرد اس سے بہترین انداز میں استفادہ کر سکتا تھا۔ مسائل اور تحقیق میں اکابر علماُ کرام کی

تحقیق پر اعتماد آپ کی مقبولیت و محبوبیت اور حقانیت کا سب سے بڑا ثبوت تھا۔ اپنی تحقیق پر اصرار اور اپنی غلطی سے رجوع نہ کرنا آپ کی فطرت میں ہی شامل نہیں تھا، اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کے قلم نے کہیں لغزش کھائی ہوگی، آپ کے قلم کی تیزی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بڑی سے بڑی کتاب کی تالیف میں بھی آپ کو ایک ماہ سے زیادہ عرصہ نہیں لگتا تھا جبکہ اس کے ساتھ ساتھ آپ ہزاروں مسائل کے جوابات بھی مرحمت فرماتے۔ کئی دفعہ کاتب اور کمپیوٹر پر کمپوزنگ کرنے والے آپ کے قلم کی روانی کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے ہر مضمون اور کتاب کی تمہید مشکل ہوتی ہے۔ اس کے بعد علوم و معارف اور الفاظ صف بستہ کھڑے ہوتے نظر آتے ہیں۔ بعض مرتبہ آمد کے ذہن میں علوم و معارف کے ورود کی تیزی کا ہاتھ بھی ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ آپ جب لکھنا شروع کرتے تو صفحات بارش کے قطروں کی طرح آپ کے رفیق مولانا سعید احمد جلالپوری کے پاس گرتے ہوئے نظر آتے۔ بارہا میں نے جنگ کا اداریہ لکھنے کے لئے کہا۔ دس سے پندرہ منٹ میں آٹھ دس صفحات لکھ کر میرے حوالے کردیتے اور فرماتے: جاؤ مجھے کام کرنے دو، گویا غیر حاضر ذہن کے ساتھ دوسرے کام میں منہمک ہونے کے باوجود برجستہ چند صفحات تحریر فرمادیتے۔ بغیر مطالعہ یا تحریر کے کسی نے آپ کو نہیں دیکھا۔ فالج کے بعد عام تاثر یہ تھا کہ آپ کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ رک جائے گا لیکن دیکھنے والے زندہ ہیں کہ آپ آخری دن تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہے اور ان آخری چار سالوں میں ایسی مشکل کتابوں پر آپ نے کام کیا جن کو ہاتھ لگاتے ہوئے نوجوان عالم دین بھی تیار نہیں ہوتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی المعروف "حضرت جی" کی چھ نمبروں پر عربی تصنیف کا ترجمہ اور حوالہ جات کے اندراج کا کام آپ نے وفات سے ایک سال قبل مکمل کیا، گزشتہ حج کے موقع پر آپ علامہ فضل اللہ تورپشتی کی فارسی زبان میں عقیدہ پر کتاب "المعتمد فی المعتقد" کا ترجمہ فرمارہے تھے۔ مولانا سعید احمد جلالپوری اور میری عدم موجودگی کی وجہ سے سفر کے آخری دن جو جدہ اور حاجی کیمپ میں صرف ہوتے ہیں، میں نے اپنے ایک بزرگ ساتھی مولانا امان اللہ خالدی کو لگادیا کہ وہ حضرت کے ساتھ رہیں اور حضرت املا کرائیں تو اس کو لکھ لیا کریں۔ جب مولانا امان اللہ خالدی صاحب سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ حضرت تو تھکتے ہی نہیں۔ میرے لئے تو ساتھ دینا مشکل ہوگیا۔ سفر افغانستان میں بھی یہ کتاب جو فارسی کی مشکل

ترین تعبیرات پر مبنی ہے ساتھ تھی، جس کے ترجمہ کا دو تہائی حصہ آپ نے مکمل فرمالیا تھا، صفحہ ۱۹۰ پر کام کرنے کے لئے دفتر تشریف لارہے تھے کہ طاغوتی نے آپ کو شہید کردیا۔ افسوس کہ شہادت کی وجہ سے یہ عظیم سلسلہ رک گیا۔

ختم نبوت کے سلسلے میں حضرت شہیدؒ کی خدمات :

ترجمان ختم نبوت حضرت شہیدؒ نے جس سال دورۂ حدیث کیا اس سال تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء عروج پر تھی اور پورے پاکستان میں علماً دیوبند اور دیگر مکاتب فکر کے لوگ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کررہے تھے، اس دور سے پہلے ہی حضرت شہید کا تعلق حضرت مولانا محمد علی جالندھری سے تلمیذانہ ہوچکا تھا اور جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں کہ آپ مولانا محمد علی جالندھریؒ کی جمعہ کی تقریر سننے جاتے تھے اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جو فرد بھی حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سن لیتا وہ ختم نبوت کا شیدائی بن جاتا تو حضرت شہیدؒ کو حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کی جانب سے یہ جذبہ کس درجہ ملا ہوگا؟ اس کا اندازہ بعد کے واقعات و حالات سے خود بخود ہوگیا۔ حضرت شہیدؒ نے بھی ایک طالب علم کی طرح جوش و جذبہ سے تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں ضرور حصہ لیا۔ اگرچہ اس کے خاص حالات تو آپ نے کبھی ذکر نہ فرمائے اور نہ ہی کسی اور سے سنے گئے۔ البتہ آپ اس کا تذکرہ اکثر فرماتے تھے کہ میں تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء والے سال دورۂ حدیث سے فارغ ہوا۔ اسی دور کی برکت اور حضرت مولانا محمد علی جالندھری کے بیانات سننے کے اثرات تھے کہ جب مولانا عبدالماجد دریاآبادی جیسی بڑی شخصیت نے قادیانیوں کی حمایت میں غلط فہمی کی بنا پر ایک شذرہ تحریر فرمادیا تو حضرت شہیدؒ سے برداشت نہ ہوسکا اور باوجود میدان تحریر کے شہسوار نہ ہونے کے فوری طور پر اس کا جواب لکھ کر دارالعلوم دیوبند کو بھیج دیا اور وہ شائع ہوگیا۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریاآبادی کا جواب لکھنے کے لئے آپ کو کتنی محنت کرنی پڑی ہوگی اور کتنا کچھ مطالعہ کرنا پڑا ہوگا مگر عقیدۂ ختم نبوت کے ساتھ اس سے آپ کی گہری وابستگی کا نمونہ لگایا جاسکتا ہے۔ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ

سے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی عقیدت و محبت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی مجلس حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے اس بنا پر ماہنامہ بینات ہر مرحلہ پر عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور ردِ قادیانیت کے سلسلے میں اپنا فریضہ ادا کرتا تھا اور حضرت شہیدؒ اس میں برابر کے شریک ہوا کرتے تھے۔ ۱۹۵۴ء سے لے کر ۱۹۷۴ء تک عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جماعت کے سفر کو ارتقائی سفر کہا جاسکتا ہے کیونکہ ۱۹۵۳ء میں جزوی مارشل لاء کے قیام اور مجلس احرار اسلام پر پابندی کے بعد ۱۹۵۴ء میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی تشکیل ۱۴ ربیع الثانی ۱۹۷۴ء مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۵۴ء کو مسجد سراجاں میں ہوئی۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو مجلس کا پہلا امیر مقرر کیا گیا اور حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا محمد شریف جالندھری، مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد حیات ان کے رفقاء کی حیثیت سے شریک سفر ہوئے۔ تمام دفاتر حکومت نے قبضہ میں لے لئے تھے۔ ریکارڈ وغیرہ ضبط ہو چکا تھا، ایک لاکھ سے زائد افراد اسیر تھے، ان کی رہائی وغیرہ اور دیگر معاملات کی اصلاح میں عرصہ دراز لگ گیا۔ مولانا محمد علی جالندھری نے ایک ایک شہر اور بستی بستی جاکر مجلس کی تنظیم نو کی، اس بنا پر اس دوران دیگر علماء کرام کا ربط اس سلسلے میں معاونین کی حیثیت سے رہا مقامی طور پر کام کرنے کے عمل میں شرکت رہی، کوئی ایسی تحریک نہیں چلی جس کا تذکرہ لکھا جائے۔ اس بنا پر خود بڑے اکابر علماء کرام کی شرکت بھی ایک معاونت کے انداز کی سی رہی۔ اس دوران یکے بعد دیگرے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، حضرت مولانا لال حسین اختر اور ۱۹۷۳ء میں حضرت مولانا محمد علی جالندھری جماعت کو ایک مربوط اور منظم شکل دے کر رخصت ہوتے گئے۔ ۱۹۷۳ء میں حضرت مولانا محمد حیات صاحب کو عارضی طور پر امیر بنایا گیا اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی حیثیت ایک ڈولتی کشتی کی سی ہو گئی۔ حضرت شہیدؒ اس صورت حال سے بہت زیادہ پریشان تھے، اسی دوران جماعت کی مجلس شوریٰ کے اجلاس کا اعلان ہوا اور اس اجلاس میں امیر کے انتخاب کا مسئلہ بھی ایجنڈے میں آیا، محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ

اللہ علیہ اس اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے جانے لگے تو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ملاقات کے لئے گئے اور اپنے تاثرات اور دلی خواہش کا اظہار اس انداز میں فرمایا:

"حضرت آپ جماعت کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے جارہے ہیں میری درخواست ہے کہ یا تو جماعت کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیں (امارت قبول فرمالیں) یا فاتحہ فراغ پڑھ کر جماعت کو ختم کرنے کا اعلان کر دیجئے گا۔ حضرت اس ناکارہ کی درخواست سے بہت متاثر ہوئے اور برجستہ فرمایا:

"اگر میں جماعت کی امارت قبول کرلوں تو تم ساہیوال سے ملتان مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر میں منتقل ہو جاؤ گے؟"

میں نے عرض کیا: حضرت! مجھے کراچی آنے سے عذر ہے کراچی کے علاوہ آپ جہاں حکم فرمائیں گے وہاں جانے کے لئے تیار ہوں۔ حضرتؒ اس جواب سے بہت خوش ہوئے، ملتان تشریف لے گئے تو تمام اراکین مجلس شوریٰ نے حضرت سے درخواست کرتے ہوئے دفتر کی کنجیاں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے رکھدیں اور عرض کیا:

"آپ کے استاد محترم امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کام امیر شریعت کے سپرد کیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب اور ان کے رفیق مولانا محمد علی جالندھری یہ کام کررہے تھے ہم ان کے کارکن تھے، اب یہ آپ کے استاد محترم کی میراث ہے اور اس کی کنجیاں آپ کے سپرد ہیں اگر اس کام کو جاری رکھنا ہو تو بسم اللہ ہماری قیادت کیجئے ورنہ کنجیاں پڑی ہیں دفتر کو تالا لگادیجئے ہم سب اپنے گھروں کو جاتے ہیں، اس طرح حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مزاج کے خلاف عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی امارت قبول کرنا پڑی اور آپ نے پانچویں امیر کی حیثیت سے جماعت کی باگ ڈور سنبھالی یہ عجیب اتفاق ہے اور جس کا تذکرہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے امیر شریعت کے ہاتھ پر بیعت کر کے دیگر علماء کرام کو بیعت کرنے کا حکم دیا تو میں نے پانچویں نمبر پر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے بیعت کی تھی۔"

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے امیر بننے پر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے درج ذیل تاثرات ماہنامہ بینات میں قائد تحریک کے عنوان سے تحریر

فرمایا:

"امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ قادیانیوں کے عزائم سے بے خبر نہیں تھے مگر حالات کا تیز و تند دھارا ان کے خلاف بہہ رہا تھا تاہم وہ شدید ترین ناموافق حالات میں بھی قادیانیت سے نمٹنے کا فیصلہ کر چکے تھے گویا:۔

موج خوں سر سے گزر ہی نہ جائے کیوں
آستان یار سے اٹھ جائیں کیا؟

جدید حالات میں قادیانیت کے خلاف کام کرنے کے لئے امیر شریعتؒ نے ملکی سیاسیات سے دست کش ہونے کا اعلان کیا اور آئندہ کا لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے ملتان کی ایک چھوٹی سی مسجد "مسجد سراجاں" میں ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ (مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۵۴ء) کو اپنے مخلص رفقاء کی مجلس مشاورت طلب فرمائی جس میں حضرت امیر شریعتؒ کے علاوہ مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ، خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد شریف بہاولپوریؒ مولانا شیخ احمدؒ (بورے والا) مولانا محمد عبداللہ رائے پوریؒ، مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ، مولانا تاج محمود لائل پوری (فیصل آبادی) مولانا شریف جالندھریؒ، مولانا عبدالرحیم اشعر، مولانا غلام محمد بہاولپوری وغیرہ شریک ہوئے۔ غور و فکر کے بعد "مجلس تحفظ ختم نبوت" کے نام سے ایک غیر سیاسی تبلیغی تنظیم کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ تھا مجلس ختم نبوت کی تاسیس کا مختصر سا تعارف اور پس منظر۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اس قافلہ کا پہلا امیر و قائد منتخب کیا گیا۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو حضرت امیر شریعتؒ کا وصال ہوا اور جماعت کو طفولیت کے عالم میں یتیم کر گئے۔

شاہ جی کے بعد حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ المتوفی ۹ شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۳ نومبر (۱۹۶۶ء) امیر دوم، حضرت مولانا محمد علی جالندھری (المتوفی ۲۴ صفر ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء) امیر سوم اور مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر (المتوفی ۱۱ جولائی ۱۹۷۳ء) امیر چہارم منتخب ہوئے۔ مولانا لال حسین اختر کے بعد فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیاتؒ کو نئے انتخاب تک مسند امارت عارضی طور پر تفویض ہوئی، خیال تھا کہ

آئندہ جماعت کی زمام قیادت مستقل طور پر انہیں کے سپرد کردی جائے، مگر اپنے ضعف و عوارض کی بنا پر انہوں نے اس گراں باری سے معذرت کا اظہار فرمادیا اور جماعت خلأ میں گھومنے لگی، یہ ایک ایسا بحران تھا کہ جس سے اس عظیم الشان پیش قدمی کے رک جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا لیکن حق تعالیٰ شانہ کا وعدۂ حفاظت دین یکایک ایک لطیفہ غیبی کی شکل میں رونما ہوا، اور وہ اس منصب عالی کے لئے اسلاف کے علوم وروایات کی حامل ایک ایسی ہستی کو کھینچ لایا جو اس منصب کی پوری طرح اہل تھی، جس سے ملت اسلامیہ کا سر بلند ہوا، جس کے ذریعہ قدرت نے ختم نبوت کی پاسبانی کا وہ کام لیا جو اس دور کی تاریخ کا جلی عنوان بن گیا، اور وہ تھے شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا السید محمد یوسف البنوری الحسینی نور اللہ مرقدہ۔

۱۵ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۹ اپریل ۱۹۷۴ء کو یہ عبقری شخصیت "مجلس تحفظ ختم نبوت" کی مسند امارت پر رونق افروز ہوئی۔

کسی جماعت کی صدارت قبول کرنا حضرت کے مزاج و مشاغل کے قطعاً منافی تھا لیکن مخلصین کے اصرار پر آپ کو یہ منصب قبول کرنا پڑا، یہ تو ظاہری سبب تھا لیکن اس کے باطنی اسباب و دواعی متعدد تھے جن میں سے تین اسباب اہمیت رکھتے ہیں۔

اول: حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اپنے دور میں رد قادیانیت کے امام تھے۔ انہوں نے ہی مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو "امیر شریعت" مقرر کر کے ایک جماعت کو مستقل اسی مہم پر لگادیا تھا، اور علماً امت سے ان سے تعاون کرنے کی بیعت لی تھی، ادھر حضرت بنوری اپنے شیخ کے علوم وانفاس کے وارث تھے، تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت ان کے شیخ انور کی وراثت وامانت تھی، ظاہر ہے کہ اس کا اہل علوم انوری کے وارث اور ان کے روحانی جانشین سے بہتر کون ہو سکتا تھا؟ اس لئے جب ایک فعال جماعت کی قیادت ان کے سپرد ہوئی تو آپ نے اسے عطیہ خداوندی سمجھ کر قبول کرلیا۔

دوم: حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے انجمن حمایت اسلام کے جن اجلاس میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت مقرر کر کے خود ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور دیگر علماً سے بھی بیعت کرائی اس میں حضرت سید بنوری بھی شریک تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے شیخ انور اور ان کے امیر شریعتؒ کی جماعت بے کسی و بے بسی کے جنگل میں بھٹک رہی ہے اور

اس بے سہارا جماعت کے سارے اکابر اسے یتیم چھوڑ کر جا چکے ہیں تو آپ نے اپنی تمام تر معذوریوں کے باوجود اس یتیم جماعت کو اپنی آغوش شفقت میں اٹھالیا۔ گویا وہ بیعت جو آپ نے انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں "امیر شریعتؒ" کے ہاتھ پر کی تھی وہی آپ کو امیر شریعتؒ کی خلافت و جانشینی تک کھینچ لائی۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ سے پہلے آپ "امیر شریعت" کی "پاسبان ختم نبوت فوج" کے سپاہی تھے اور اس تاریخ سے آپ کو اس فوج کا قائد و سپہ سالار بنادیا گیا۔

سوم: حضرت قدس سرہ پر حق تعالیٰ شانہ کے بے شمار انعامات تھے، آپ کے صحیفہ زندگی میں قدرت ایک نئے باب اور بالکل آخری باب کا اضافہ کرنا چاہتی تھی، اور وہ تھا آپ کے مقام صدیقیت کا اظہار۔ مسیلمہ کذاب کی خبیث امت کا صفایا سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فوج نے کیا تھا اور مسیلمہ پنجاب کی امت کی سرکوبی "یوسف صدیق" کی فوج نے "اول باآخر نسبتے دارد" راقم الحروف کا خیال ہے کہ اسی صدیقی نسبت کی تکمیل کے لئے قدرت آپ کو آخری عمر میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی قیادت کے لئے کشاں کشاں کھینچ لائی تھی۔

یہاں یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ حضرت مولانا قاضی احسان احمدؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا محمد علی جالندھری (قدس سرہ) نے حضرت کی خدمت میں جماعت کی قیادت کے لئے درخواست کی تھی مگر حضرت نے فرمایا کہ آپ کی موجودگی میں صرف آپ ہی اس کے لئے موزوں ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس وقت جماعت کی امارت تو قبول نہیں فرمائی، البتہ جماعت کی سرپرستی اور مجلس شوریٰ کی رکنیت قبول فرمالی۔ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ سے مجلس شوریٰ کے اجلاس میں بڑے اہتمام سے شرکت فرماتے تھے اور مجلس کی کوئی کارروائی حضرت کے اسماً وارشاد کے بغیر نہیں ہوتی تھی۔ بظاہر حضرت جالندھری مجلس کے امیر خود تھے مگر اس کی حقیقی قیادت اس وقت بھی حضرت بنوری قدس سرہ کے ہاتھ میں تھی۔

حضرت بنوری قدس سرہ کا دور امارت اگرچہ بہت ہی مختصر رہا اور اس میں بھی حضرت اپنے بے شمار مشاغل اور ضعف و پیرانہ سالی کی بنا پر جماعت کے امور پر خاطر خواہ توجہ نہیں فرما سکتے تھے، اس کے باوجود حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی پر خلوص قیادت کی برکت سے جماعت کے کام کو ثریٰ سے ثریا تک پہنچادیا اور "بنوری دور میں" جماعت نے وہ خدمات انجام دیں جن کی اس سے

پہلے صرف تمنا کی جاسکتی تھی۔ ان کا بہت ہی مختصر خاکہ درج ذیل ہے :

"امارت سنبھالتے ہی تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء کا آغاز ہوا جس کی قیادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو امیر منتخب فرمایا تھا اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے تدبر کی وجہ سے تحریک کامیاب ہوئی اور قادیانیوں کو ۷ / ستمبر ۱۹۷۴ء کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ حضرت شہیدؒ اس تحریک میں محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے شانہ بشانہ شریک رہے اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق اپنا کردار ادا کرتے رہے الغرض حضرت بنوریؒ جماعت ختم نبوت کے امیر منتخب ہو کر کراچی تشریف لائے حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو مبارک باد دینے کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : "اپنا وعدہ یاد ہے ؟" میں نے عرض کیا بالکل میں حاضر ہوں۔ البتہ تین درخواستیں ہیں ایک رہائش کا مکان مرحمت فرمادیں، دفتر کے ساتھ مسجد تعمیر فرمادیں اور دفتر میں قرآن کریم کا مکتب بنادیں۔ حضرتؒ نے فرمایا : تینوں شرطیں منظور ہیں۔ اس طرح حضرت شہیدؒ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے باضابطہ طور پر منسلک ہوگئے۔ اس دور میں جبکہ جماعت کے ناظم اعلیٰ کی تنخواہ تین صد روپے تھے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شہیدؒ کی تنخواہ پانچ صد روپے طے فرمائی اور فرمایا کہ اس کی ادائیگی میں خود کیا کروں گا۔ حضرت شہیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میری ذمہ داری کیا ہوگی ؟ حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ بس کچھ نہیں۔ آپ جو چاہیں کریں، بس یہیں رہیں۔ ضابطہ کے طور پر اگرچہ آپ ناظم نشریات تھے مگر آپ پر کسی قسم کی ذمہ داری نہیں تھی۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس دور میں ختم نبوت لائبریری میں رکھی ہوئی اس موضوع سے متعلق تمام کتب کا مطالعہ کیا اور پرانی نایاب کتابیں تلاش کر کے ان کی طباعت کا اہتمام کیا، تردید قادیانیت کے موضوع پر متعدد رسائل تحریر فرمائے۔ محدث العصر حضرت علامہ کشمیریؒ کی فارسی میں نادر کتاب "خاتم النبیین" کا اردو ترجمہ فرمایا۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے جو کام لیا جانا تھا وہ مکمل ہو چکا تھا جس کا تذکرہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ خود فرمایا کرتے تھے۔ ۱۹۷۷ء میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا، جس کی وجہ سے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے وابستہ ہر فرد کے علاوہ پوری دنیا کے

مسلمان مغموم ہوگئے۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا جو صدمہ ہونا تھا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ مگر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مشن نے آپ کو نہ صرف زندہ بلکہ زیادہ جوش و ولولہ سے کام کرنے پر آمادہ کیا اور حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی احمد الرحمٰن کی رفاقت میں زیادہ تندہی سے کام کرنے لگے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد صاحب زید مجدہم امیر منتخب کئے گئے جبکہ امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن نائب امیر اور حضرت شہیدؒ ناظم نشریات اور مولانا محمد شریف جالندھری حسب سابق ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ شیخ المشائخ خواجہ خواجگان کو دیکھنے والے جانتے ہیں کہ گھنٹوں آپ تشریف فرما ہوتے ہیں مگر لب پر مہر اور قلب و نظر سے لوگوں کی اصلاح اور دعاؤں کے ذریعہ حالات کی تبدیلی اور معاملات کی گتھی سلجھاتے نظر آتے ہیں۔ مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ جب تک حیات رہے وہ شیخ المشائخ کی جگہ بیان فرماتے رہے، اس دوران حضرت شہیدؒ نے شعبہ نشریات میں جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس وقت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جتنی کتب شائع ہوئی ہیں ان کی اشاعت میں ۸۰ فیصد آپ کی مساعی کا حصہ ہے۔ ۱۹۸۴ء میں مرزا طاہر کے سر پر پھر شرارت کا بھوت سوار ہوا اور اس نے آئین کی قادیانیت سے متعلق ترامیم قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ وہ اس کی کھلے عام خلاف ورزی کریں۔ اپنی عبادت گاہوں پر قرآنی آیات تحریر کریں، کلمہ طیبہ آویزاں کریں، اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں اور اس کے ساتھ ساتھ ہر قادیانی اپنے سینہ پر کلمہ طیبہ آویزاں کر کے سڑکوں پر گھومے تاکہ مسلمان معلوم ہو اور لوگ دھوکہ کھائیں، غرض اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے اور کہلوانے کی مہم شروع کی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے حکومت کو متوجہ کیا مگر اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگی جس پر مجبور ہو کر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے تحریک چلانے کے لئے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کو دوبارہ سرگرم کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت شہیدؒ نے رسائل کے ذریعہ کلمہ طیبہ اور قرآنی آیات کی توہین کو دلائل سے واضح کیا۔ کوئٹہ کی جماعت نے مولانا نذیر احمد تونسوی کی قیادت میں قادیانیوں کو گرفتار کرا کر عدالت میں پیش کرایا اور سزا دلوائی۔ حضرت شہیدؒ اس موقع پر بہت زیادہ فکر مند تھے اور تحریک میں حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ العالی اور حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ، حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ کے ہمراہ

صف اول میں قیادت کرتے نظر آتے تھے۔ قلمی میدان مکمل آپ کے سپرد تھا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے اسلام آباد میں دھرنا دینے کا فیصلہ کیا، جس پر مجبور ہو کر راجہ ظفر الحق کی مشاورت سے جنرل ضیاء الحق مرحوم نے امتناع قادیانیت آرڈی نینس جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور قادیانیوں کو شعائر اسلام استعمال کرنے اور مساجد کی شکل میں عبادت گاہیں بنانے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے اور کہنے سے روکنے کے لئے قانون سازی ہوئی جو بعد ازاں مجلس شوریٰ سے منظور ہو کر ۸ ویں ترمیم کے ذریعہ دیگر اسلامی دفعات کے ساتھ آئین کا حصہ بنی اور اس طرح عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کو جو کامیابی حاصل ہوئی۔ اس میں حضرت شہیدؒ کا بہت اہم کردار تھا۔ اس تحریک میں جمعیت علماء اسلام نے مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں بھرپور ساتھ دیا اور جس طرح تحریک ۱۹۷۴ء میں مولانا مفتی محمود اور مولانا بنوری یک جان دو قالب تھے اس طرح اس تحریک میں حضرت شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد صاحب کے ساتھ مولانا فضل الرحمٰن ایک ادنیٰ سپاہی اور خادم کی طرح شریک سفر تھے۔ امتناع قادیانیت آرڈی نینس جاری ہوا تو مرزا طاہر چناب نگر (سابقہ ربوہ) کی سب سے بڑی عبادت گاہ میں جہاں ہمیشہ وہ جمعہ پڑھا کر مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتا تھا بیٹھ کر روتا رہا کہ اب ہمیں جمعہ سے بھی روک دیا گیا اور پھر راتوں رات پاکستان سے بھاگ کر اپنے آقاؤں کی چرنوں میں لندن کے نواح میں ایک مرکز قائم کر کے پناہ گزین ہوا اور پوری دنیا میں اسلام و پاکستان اور مسلمانان پاکستان کے خلاف سازشوں اور مذموم پروپیگنڈوں میں مصروف ہو گیا، ڈش انٹینا، سیٹلائٹ، انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عیسائیوں کی این جی اوز کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے ارتدادی سرگرمیوں میں مصروف ہو گیا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کو اس سے تشویش ہوئی، حکومت کو متوجہ کیا مگر ان کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں وہ اس طرف متوجہ نہیں ہوئی اور سدباب کی کوئی کوشش نہیں کی، اس لئے شیخ المشائخ خواجہ خواجگان کے حکم پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حضرت شہیدؒ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ لندن یا انگلینڈ میں کسی جگہ دفتر ختم نبوت قائم کر کے کام شروع کریں۔ اس دوران مرزا طاہر نے اپنی سالانہ کانفرنس کا اعلان پاکستان میں کیا تو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے عدالت کے ذریعہ اس پر پابندی لگوائی کیونکہ ان کا یہ اجتماع امتناع قادیانیت آرڈی نینس کے خلاف تھا۔ قادیانیوں کی

جانب سے یہ سالانہ اجتماع انگلینڈ میں منعقد کرنے کے فیصلے پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے بھی انگلینڈ میں کانفرنس کے انعقاد اور دفتر ختم نبوت کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ، حاجی عبدالرحمٰن یعقوب باوا اور مولانا منظور احمد الحسینی کے ہمراہ انگلینڈ گئے۔ مولانا ضیاء القاسمیؒ، ملک عبدالحفیظ وغیرہ کی جانب سے ایک اجتماع کا فیصلہ ہوا۔ جمعیت علمائے برطانیہ کے اشتراک سے آخری دن فیصلہ ہوا کہ یہ اجتماع عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے ہو۔ بحمد للہ یہ اجتماع بہت کامیاب ہوا اور اس میں فیصلہ کیا گیا کہ انگلینڈ میں دفتر ختم نبوت قائم کرنے کے ساتھ مختلف علاقوں میں قادیانیت کی تردید اور عقیدۂ ختم نبوت کی عظمت کے اظہار کے لئے بھرپور کام شروع کیا جائے۔ اس سلسلے میں امیر مرکزیہ نے مولانا مفتی احمد الرحمٰن اور حضرت شہیدؒ کی ذمہ داری لگائی کہ وہ دفتر خریدیں۔ حاجی عبدالرحمٰن یعقوب باوا اور مولانا منظور احمد الحسینی نے ابتدائی کام کرتے ہوئے مولانا محمد یوسف متالا کے ساتھ دفتر کی جگہ پسند کی۔ بعد ازاں مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حضرت شہیدؒ نے عرب امارات، جنوبی افریقہ اور انگلینڈ کا تفصیلی دورہ کر کے اس دفتر کی رقم ادا کی اور اس طرح انگلینڈ میں قادیانیت کا تعاقب شروع کر کے مولانا محمد علی جالندھریؒ کا وعدہ پورا کر دیا کہ: ”قادیانی دنیا کے کسی بھی گوشے، یہاں تک کہ اگر وہ چاند پر پہنچیں گے تو ہم ان کا وہاں بھی تعاقب کریں گے“۔ انگلینڈ میں دوسرے سال ۸۶ء میں پھر کانفرنس ہوئی۔ مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حضرت شہیدؒ، شیخ المشائخ خواجہ خواجگان کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ پورے انگلینڈ کا دورہ کر کے مسلمانوں کو اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔ پورے انگلینڈ میں کام شروع ہوا۔ جمعیت علمائے برطانیہ کو اس عمل میں شریک کیا گیا ۱۹۹۱ء میں حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے انتقال کے بعد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے متفقہ طور پر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو نائب امیر مقرر کیا۔ حضرت شہیدؒ نے فرمایا بھی کہ آپ کسی اور بزرگ کو اس عہدہ پر فائز کر دیں میں تو جماعت کا ویسے بھی خادم ہوں، مگر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے جس کام کے لئے آپ کا تقرر دفتر ختم نبوت میں فرمایا، اس کا اصل وقت تو اب شروع ہو رہا تھا۔ حضرت مولانا محمد شریف جالندھری صاحب بھی اپنے رب سے جا ملے تھے۔ اب ان کی جگہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری کے علوم اور محنت و لگن کے وارث و امین مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری ناظم اعلیٰ تھے۔ آپ کی رفاقت کے لئے مولانا اللہ وسایا، مولانا محمد اکرم

طوفانی، مولانا بشیر احمد، مولانا اسمٰعیل شجاع آبادی، حاجی عبدالرحمٰن یعقوب باوا، مولانا منظور احمد الحسینی، مولانا عبدالرحیم اشعر، مولانا نذیر احمد تونسوی، مولانا سعید احمد جلالپوری، مفتی نظام الدین شامزئی، مفتی محمد اسلم، مولانا فضل الرحمٰن، ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر جیسے اصحاب علم و عمل و فضل موجود تھے۔ قادیانیت کا فتنہ عروج پر تھا۔ افریقہ اور سیرالیون مالی اور دیگر علاقوں میں قادیانیت تیزی سے کام کر رہی تھی۔ حضرت مولانا عزیزالرحمٰن جالندھری تنظیمی مصروفیت کی بنا پر بیرونی ممالک کے امور خارجہ کی طرف توجہ دینے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ حضرت شیخ المشائخ خواجہ خان محمد خاموش تصرف کے ذریعہ روحانی طور پر تمام امور کی نگرانی کر رہے تھے۔ حضرت شہیدؒ پر پوری ذمہ داری عائد ہو چکی تھی، ایک طرف انہوں نے امیر مرکزیہ کی ترجمانی بھی کرنی تھی جیسا کہ خود امیر مرکزیہ نے اس وقت اس کا اظہار فرمایا: جب کسی نے عرض کیا حضرت! آپ تو نہ بیان فرماتے ہیں اور نہ ہی کچھ فرماتے ہیں۔ جاں نثاران ختم نبوت آپ سے کچھ سننے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا:

> "میری زبان مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو بنایا گیا ہے۔ جو میرے قلب و ذہن میں وارد ہوتا ہے مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے ذہن و قلب میں منتقل ہو جاتا ہے وہ اس کو جلسوں اور اجلاسوں میں بیان کر دیتے ہیں، جو چاہتا ہے کہ مجھے سنے وہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی تقریریں سنے۔ جو چاہتا ہے میری تجویز کو مانے وہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی تجویز پر عمل کرے۔"

حضرت خواجہ خان محمد صاحب زید مجدہم کے ان جملوں سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی فراست و تدبر اور مستقبل بینی کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی امارت خواجہ خان محمد کو نائب امیر بنانے کی شرط کے ساتھ منظور کی تھی اور امارت قبول کرنے سے قبل مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے دفتر ختم نبوت میں مستقل آنے کا وعدہ لے لیا تھا۔ یہ تیاری تھی اس دور کی جس کا مشاہدہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی کرا دیا تھا۔ حضرت کے نائب امیر بنتے ہی جماعت کے لئے مشکل ترین چیلنج شروع ہو جاتے ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں جنوبی افریقہ کی عدالت میں قادیانی چیلنج کر دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، ہمیں مسلمانوں کی مسجد میں نماز پڑھنے اور ان کے قبرستان میں مردے دفن کرنے کی اجازت دی

جائے۔ جج یہودی، وکیل یہودی، پوری دنیا کی نگاہیں اس مقدمہ پر، جنوبی افریقہ کا مشہور علمی و دینی خاندان میاں برادرز اور جمعیت علماء افریقہ اس مقدمہ میں فریق بن جاتے ہیں۔ ان کی طرف سے درخواست آتی ہے کہ بڑے بڑے علماء کرام کی اس وقت سخت ضرورت ہے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی، حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر، ڈاکٹر محمود احمد غازی، افضل چیمہ، ڈپٹی اٹارنی جنرل اور دیگر وکلاء اور حضرت شہیدؒ کا انتخاب کرتی ہے اور یہ حضرات جنوبی افریقہ تشریف لے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ مختصر سماعت ہوتی ہے۔ دوسری دفعہ طویل سماعت جس میں حضرت شہیدؒ اور مولانا عبدالرحیم اشعر طویل قیام فرماتے ہیں اور ڈاکٹر محمود غازی کو تیاری کرا کر روزانہ عدالت میں بھیجتے ہیں۔ قومی اسمبلی میں مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ یحییٰ مختیار کو تیار کر کے مرزا ناصر پر جرح کرتے تھے۔ جنوبی افریقہ میں حضرت شہیدؒ یہ فریضہ انجام دیتے ہیں۔ رات بھر تیاری اور دن بھر مقدمہ میں شمولیت انتھک محنت کے بعد مقدمہ مسلمانوں کے حق میں ہو جاتا ہے۔

اسی طرح افریقہ کے ایک علاقہ مالی میں قادیانی مسلمانوں کو جھوٹ کے ذریعہ مرزا طاہر سے بیعت کرا دیتے ہیں۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ملتی ہے تو فوری طور پر مولانا منظور احمد الحسینی اور حاجی عبدالرحمٰن یعقوب باوا کو بھیجتے ہیں اور الحمد للہ ان کی محنتوں سے پچاس ہزار افراد توبہ کر کے مرزا طاہر اور مرزا قادیانی سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے ان پر لعنت برساتے ہیں۔ ۱۹۸۵ء سے لے کر اب تک سالانہ کانفرنس انگلینڈ کے موقع پر حضرت شہید ہزاروں میل کا پُر مشقت سفر کر کے مسلمانوں کو عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے تیار کرتے ہیں۔ ۴ سال قبل آپ پر فالج ہوا جس کی وجہ سے آپ کے لئے طویل تو کیا ہوائی جہاز کا مختصر سفر بھی ناممکن سا ہو گیا، لیکن عقیدۂ ختم نبوت کے لئے آپ کانفرنس کے موقع پر نہ صرف انگلینڈ تشریف لے گئے بلکہ اس سال جناب عبدالرحمٰن یعقوب باوا نے بعض وجوہات کی بناء پر جماعت سے استعفیٰ دے دیا اور کانفرنس کی تیاری سے معذرت کی تو حضرت شہیدؒ نے ۱۲ تا ۱۴ گھنٹے روزانہ گاڑیوں کا سفر کر کے ایک ایک قریہ اور ایک ایک گاؤں جا کر لوگوں کو دعوت دی اور حضرت کی محنت اور حضرت شیخ المشائخ کے روحانی تصرف اور عقیدۂ ختم نبوت کی عظمت سے یہ کانفرنس بھرپور انداز میں کامیاب ہوئی۔ یہی صورت حال گزشتہ ۴ سال سے ہے کہ کانفرنس کی

کامیابی کے لئے مولانا محمد اکرم طوفانی کے کامیاب دورے کے بعد حضرت شہیدؒ طویل اسفار کر کے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور الحمدللہ حضرت کے اس ارشاد کہ : میں تم سے صرف عقیدۂ ختم نبوت کے لئے ایک دن مانگتا ہوں۔ کیا تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے حصول کے لئے ایک دن بھی مجھے نہیں دو گے ؟ کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی محافظوں میں شامل نہیں ہونا چاہتے ؟ اتنے کرب اور دلسوزی سے حضرت یہ ارشاد فرماتے کہ بعض دفعہ آپ پر ترس آجاتا اور حضرت کی تواضع اور انکساری پر رشک آتا، جی چاہتا کہ حضرت سے درخواست کریں کہ آپ اپنے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈالیں، لیکن حضرت کے جذبہ عشق و محبت کے سامنے کوئی بات کہنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ اسی طرح آپ دورہ پر تھے کہ معلوم ہوا کہ جمعیت علمائے ہند کے امیر و جانشین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا سید اسعد مدنی صاحب زید مجدہم بھی اسی طرف دورہ پر ہیں اور فجر کے بعد مجلس ذکر کر اکر کچھ دیر قیام کے لئے ایک مکان پر ناشتہ کے لئے پہنچیں گے۔ چونکہ بعض امور پر ان سے مشاورت ضروری تھی اور براہ راست کانفرنس میں شرکت کی دعوت بھی دینی تھی، اتفاق اس دن بہت طویل سفر تھا اس لئے حضرت شہیدؒ جلدی فجر کی اپنی جماعت کرا کر سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔ ہم نے گاڑی میں حضرت کو سلادیا، منزل پر پہنچے تو ابھی حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب تشریف نہیں لائے تھے کچھ دیر انتظار کیا، وہ تشریف لائے تو حضرت کو بیدار کیا گیا۔ آپ پر نیند اور تھکاوٹ کے بہت زیادہ آثار تھے اور کمزوری بھی زیادہ محسوس ہو رہی تھی، اس کے باوجود حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب سے ملاقات کی، مشورہ کیا اور کانفرنس میں شرکت کی براہ راست دعوت دی۔ تفصیل کے لئے حضرت نے اس ناکارہ کو بات کرنے کو کہا۔ ملاقات کے بعد حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب نے مجھے ایک طرف کر کے سخت ڈانٹا اور اپنے خاص انداز میں فرمایا :

> "کیوں اس بڈھے (حضرت شہیدؒ) کو مارنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس طرح سفر ان پر ظلم ہے۔ ان سے صرف کانفرنس میں تقریر کراؤ، ان کی حالت تو بہت زیادہ خراب ہے، ان پر رحم کرو۔"

میں حضرت مولانا اسعد مدنی زید مجدہم کی مشفقانہ ڈانٹ ڈپٹ سنتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ان کے سامنے کیا عذر پیش کروں ؟ کیا حالات رکھوں ؟ ہمارے یہاں بدقسمتی یہی ہے کہ بزرگوں

کی قدر بھی آخری عمر میں کی جاتی ہے اور ان کی قدر و منزلت بھی اسی وقت دل میں آتی ہے اور لوگوں کا اصرار بھی یہی ہوتا ہے کہ حضرت شہید تشریف لائیں میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں نے ان سے وعدہ کیا کہ اگلے سال اس مشقت سے بچانے کی کوشش کریں گے۔ مگر اگلے سال کیا وہ تو شہادت سے ایک ہفتہ قبل افغانستان تشریف لے گئے تھے۔ اسی طرح کا ایک قصہ خود حضرت کی زبانی ہی بہت سال قبل ہو چکا تھا۔ امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کی وفات بھی ایسی اچانک ہوئی کہ ہوش و حواس گم ہو گئے تھے۔ مفتی احمد الرحمٰنؒ کے بعد ڈاکٹر حبیب اللہ مختار اور ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر عمومی مجالس میں شرکت کے لئے لوگ نہیں تھے۔ عقیدت و محبت کی تمام نگاہیں حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ ادھر حضرت کی یہ کیفیت کہ تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے علاوہ رشد و ہدایت کی محفل، اور مسجد فلاح تک محدود تھے، لوگوں سے وحشت تھی، سفر اور پروگرام تو حضرت کے لئے وبال جان سے کم نہ تھے۔ ادھر مدارس والے اپنے افتتاحی اور اختتامی پروگراموں اور ختم بخاری و مشکوۃ شریف مفتی احمد الرحمٰنؒ کے بعد کسی بزرگ ہستی کی تلاش میں تھے۔ حضرت شہیدؒ سے درخواست کی کہ مفتی احمد الرحمٰنؒ کی جگہ آپ نے چلنا ہے۔ ایک دو پروگرام پر تو آپ تشریف لے گئے لیکن جب پروگراموں کا تانتا بندھا اور آپ کے کاموں میں حرج ہونے لگا تو آپ نے انکار کرنا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ میں مولانا اقبال اللہ صاحب کو لے کر ان کے مدرسہ جامعہ عثمانیہ معین آباد کے لئے وقت لینے گیا اور مولانا اقبال اللہ صاحب نے اصرار کیا تو حضرت نے مشفقانہ انداز میں آنے سے عذر فرمایا۔ مولانا اقبال اللہ صاحب اور میں نے عرض کیا حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ تشریف لے جایا کرتے تھے اور انکار نہیں فرماتے تھے، اب ہم کیا کریں؟ اس پر حضرت نے خوش طبعی کے انداز میں فرمایا: مفتی احمد الرحمٰنؒ کو تو تم نے مار دیا۔ اب مجھے مارو گے؟ بہر حال بات ہو رہی تھی ختم نبوت کے کام کے سلسلہ میں آپ کی وابستگی کی کہ بیماری، ضعف، پیرانہ سالی کے باوجود آپ انتھک محنت سے بھی نہیں کتراتے۔ چند سال قبل مرزا طاہر نے پوری دنیا کے علماً کرام اور مسلمانوں کو چیلنج دیا کہ وہ اس سے مباہلہ کریں۔ اس سلسلے میں ایک خط بھی اس نے جاری کیا۔ حضرت شہیدؒ کے پاس وہ خط پہنچا تو حضرت شہیدؒ نے اس پر ایک مدلل انداز میں جواب تحریر کر کے مرزا طاہر کو ارسال کیا اور مباہلہ کی ایک تاریخ مقرر کر دی۔ اس مقررہ تاریخ پر آپ

تشریف لے گئے، مگر مرزا طاہر نے اس سے پہلے ہی راہ فرار اختیار کرلی اور کہا کہ مباہلہ کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ کر ایک دوسرے کے لئے بد دعا کرتے رہیں۔ خود بخود حق ظاہر ہو جائے گا۔ حضرت شہیدؒ نے بر منگھم کانفرنس میں اس کو چیلنج کیا۔ مباہلہ کی اصل حقیقت بیان کیا، چار سال قبل رمضان المبارک سے پہلے مرزا طاہر نے اعلان کیا کہ رمضان المبارک میں اس کی جماعت کے تمام لوگ پاکستان کے مسلمانوں اور علماً کرام کے لئے بد دعائیں کریں کہ یہ لوگ تباہ و برباد ہو جائیں۔ پورے رمضان میں یہ بد دعا کرتے رہے، حضرت شہیدؒ نے فرمایا: بد دعا تمہارے اپنے اوپر لوٹے گی، تمہارا جھوٹا مدعی نبوت مرزا غلام احمد ایسے بہت سے ہتھکنڈے استعمال کر چکا ہے۔ خدا نے حضرت شہیدؒ کی بات کی لاج رکھی اور مرزا طاہر ناکام و نامراد ہوا۔ آپ کی شہادت سے قبل جب موجودہ حکومت نے عبوری آئین میں قادیانیت سے متعلق ترامیم شامل نہیں کیں تو حضرت شہیدؒ بے چین ہو گئے اور موجودہ حکومت کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کیا۔ اخبار میں سب سے پہلا بیان دیا اور اتنی شدت اختیار کی کہ تحریک کے لئے میدان عمل میں اترنے کا ارادہ کرلیا۔ جمعیت علماً اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمٰن کو اس کے لئے تیار کیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شہادت بھی تحفظ ناموس رسالت کے لئے تھی کیونکہ آپ کے مخالفین نے مرزا طاہر سے گٹھ جوڑ کرلیا تھا۔ بہر حال آپ نے ناظم نشریات اور نائب امیر ہونے کی حیثیت سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے لئے جو خدمات انجام دیں، اس کے لئے شیخ طریقت، ولی دوران حضرت مولانا عبد القار رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل حضرت سید نفیس شاہ صاحب زید مجدہم کا یہ جملہ بہت بڑا اعتراف ہے کہ جب امیر مرکزیہ شیخ المشائخ خواجہ خواجگان نے حضرت سید نفیس شاہ صاحب زید مجدہم کو منصب نائب صدارت پر فائز فرمایا اور اس کی اطلاع حضرت شاہ صاحب کو دینے کے لئے راقم الحروف کی حاضری ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ ضعیف اور بیمار پر اتنی بڑی ذمہ داری کیوں ڈال دی۔ حضرت شہید اور مفتی احمد الرحمٰن رحمہم اللہ نے اس منصب کو اتنا بلند و برتر کر دیا ہے کہ مجھے اس کے تصور سے بخار آجاتا ہے کسی مضبوط آدمی کو اس عہدہ پر رکھیں۔ واقعی حضرت شہیدؒ اپنی قوت و صلاحیت، محنت و جدوجہد، عقیدۂ ختم نبوت کے لئے قربانی دے کر ناموس رسالت پر جہاد کرتے ہوئے شہادت کے منصب پر فائز ہو گئے، اس لئے امت نے ان کو شہید ناموس رسالت کے لقب سے یاد کر کے

ان کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کر دیا ہے۔

مسند رشد و ہدایت :

مسلک حقہ علماً دیوبند کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ صرف علوم ظاہری پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ اگر تزکیہ باطن نہ ہو تو اس علم ظاہری کی کوئی حیثیت نہیں گردانتے۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کی خدمات کے تجزیہ میں یہ خصوصیت لکھی ہے کہ علوم ظاہری اور علوم باطنی کا حسین امتزاج یہیں پر نظر آئے گا۔ (دوسرے خط میں) ''رہبان باللیل اور فرسان بالنھار'' کی عملی تصویر دارالعلوم دیوبند کے علماً کرام ہی کو کہا جاسکتا ہے۔ اسی بنا پر دارالعلوم دیوبند کے تذکرہ میں علماً اسلام تحریر فرماتے ہیں کہ :''دارالعلوم کے چپراسی سے لے کر شیخ الحدیث تک وقت کے اولیاً کرام ہوا کرتے تھے''۔ فقیہ ملت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم نے علوم ظاہری کے اونچے درجہ پر فائز ہونے کے باوجود اصلاح باطنی کے لئے سید الطائفہ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی سے رجوع کیا اور تزکیہ نفوس اور سلوک کی منازل طے کر کے دستار خلافت سے سرفراز ہو کر امت کی ہدایت کے لئے مشعل راہ بنے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے رجوع کیا اور مدینہ منورہ کی ویران مساجد میں ذکر و اذکار اور مجاہدات کے ذریعہ منازل سلوک طے کیں اور شیخ وقت کی حیثیت سے ہزاروں افراد کی اصلاح کی خدمات سرانجام دیں۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سند فضیلت سے سرفراز ہو کر سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی طرح خدمت عالیہ میں گئے اور مختصر عرصہ میں منازل سلوک طے کیں۔ اسی طرح حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ جب جامعہ خیر المدارس سے دستار فضیلت سے مشرف ہوئے تو آپ کی توجہ و عقیدت کا محور خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کو اگر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ تھا تو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی طرف سے شرف خلافت و اجازت بیعت بھی حاصل تھا۔ اس حسین امتزاج نے رشد و ہدایت کی مسند کو چار چاند لگائے ہوئے تھے۔ بڑے

بڑے اکابر علمائ کرام آپ سے بیعت ہو کر منازل سلوک طے کرنا اپنے لئے سعادت دارین گردانتے تھے۔ حضرت اقدس شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دستار فضیلت حاصل کرتے ہی اپنے آپ کو مکمل طور پر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کرتے ہوئے بیعت کی درخواست کر دی۔ جسے ازراہ شفقت و محبت حضرت نے قبول فرمالیا اور اس طرح آپ سلسلہ اشرفیہ، امدادیہ، چشتیہ سے منسلک ہو کر اصلاح باطن کی منازل سلوک طے کرنے لگے اور حضرت جالندھریؒ نے جو معمولات تجویز فرمائے اس کو پورا کرنے لگے۔ اس سلسلے میں آپ کی حضرت جالندھریؒ سے خط و کتابت بھی ہوئی جو "خیر المکاتیب" کے عنوان سے "بیس مردان حق" میں حضرت شہیدؒ کے مضمون کے ذیل میں جو حضرت مولانا خیر محمد جالندھری پر تحریر فرمایا شامل اشاعت ہے۔ حضرت شہیدؒ درس و تدریس کے ساتھ معمولات بھی پورے اہتمام سے ادا کرتے رہے اور ایک ایک مسئلہ پر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے رہنمائی حاصل کر کے سلوک کی دشوار راہوں کو قطع کرتے رہے تا آنکہ ۲۱ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اس دار فانی سے دار بقائ کی طرف تشریف لے گئے تو حضرت شہیدؒ کو اپنے تزکیہ اور اصلاح نفس کے لئے کسی دوسرے شیخ کی ضرورت محسوس ہوئی، تب آپ کی نگاہ انتخاب اس دور کے ولی کامل، قطب الاقطاب قدوۃ السالکین، امام العارفین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی اور آپ نے ان سے بیعت کی درخواست کی جسے فرط محبت سے حضرت شیخ نے قبول کرتے ہوئے آپ کو سابقہ معمولات جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے سلسلہ کے معمولات پورے کرنے کا حکم دیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے معمولات پورا کرنے کے ساتھ شیخ سے باضابطہ اصلاحی تعلق رکھا اور اپنے معمولات کی اطلاع حسب سابق دیتے رہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ پر خصوصی نگاہ تھی۔ پاکستان سے ہر آنے جانے والے سے حضرت شہیدؒ سے متعلق آپ برابر معلومات حاصل کرتے رہتے اور حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات پر خوشی کا اظہار فرماتے۔ بارہا محدث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کا تذکرہ بہت اچھے اور محبت بھرے انداز میں فرمایا جس سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اعتماد میں مزید اضافہ ہوا۔

۲۹ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ کو آپ کی شہادت سے اکیس سال قبل اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے وفات کے دس سال بعد حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کو درج ذیل خط تحریر فرمایا جس کے ایک ایک لفظ میں تواضع اور اپنی بے بضاعتی کا اظہار ہوتا ہے چنانچہ لکھا :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"سیدی حضرت الشیخ الامام دامت فیوضہم وبرکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ،

اس ناکارہ نے بارہا ارادہ کیا کہ حضرت والا کی خدمت میں کچھ حالات لکھوں، مگر جب بھی اس کا قصد کیا محجوب ہو کر رہ گیا کہ کوئی حالت ہو تو لکھوں۔ قرآن کریم، حدیث نبوی اور اپنے اکابر کے ارشادات میں جو کچھ پڑھا ہے، جب اپنی حالت کا اس سے موازنہ کرتا ہوں تو اندیشہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی فہرست میں نام درج کرانے کے بھی لائق نہیں ہوں۔

حضرت والا نے بارہ تسبیح کا ذکر ارشاد فرمایا ہے بحمد للہ وہ پابندی سے کرتا ہوں، مگر کبھی کبھی ناغہ بھی ہو جاتا ہے۔ اذان فجر سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھنے کا معمول ہے مگر پابندی اس کی بھی نہیں ہو پاتی۔ استغفار، درود شریف، تسبیحات فاطمی اور دیگر اذکار مسنونہ پر حتی الوسع مداومت کرتا ہوں۔ الحمد للہ جب بھی فرصت کا لمحہ ملے زبان پر ذکر جاری ہو جاتا ہے، مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زبان ہی زبان پر ہے، قلب مشغول بحق نہیں، بلکہ افکار پریشان اور خطرات وساوس کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ حضرت والا کے ساتھ جتنا عشق اور ربط قلب ہونا چاہئے وہ بھی پورا محسوس نہیں ہوتا۔ الحمد للہ پنجوقتہ نمازوں کے بعد حضرت والا کے لئے ایصال ثواب اور دعا ترقی درجات التزاماً کرتا ہوں، کسی کی غیبت اور بدگوئی سے ایسی نفرت ہو گئی ہے کہ کسی دوسرے سے سننا بھی گوارا نہیں ہوتا۔

حضرت! یہ ناکارہ دور افتادہ بھی ہے اور بد استعداد بھی، اور حضرت والا کی توجہات عالیہ اور مراحم خسروانہ کا بہت ہی محتاج اور نہایت لائق رحم ہے۔ حضرت

والا اس ناکارہ کے مناسب حال جو ہدایات فرمائیں گے انشاء اللہ ان پر بجان و دل عمل کروں گا۔ حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت کے طفیل اس ناکارہ کو اپنی رضا و محبت نصیب فرمائیں، اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے جانا ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و فضل سے حضرت اقدس کا سایہ تادیر قائم رکھے، اور فیوض و برکات میں اضعافاً مضاعفہ اضافہ فرمائے۔ (آمین)

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

۲۹/۳/۱۴۰۰ھ

۱۷/۲/۱۹۸۰ء

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ جیسے پہلے سے اس خط کے منتظر تھے اور ان کو حضرت کی اس کیفیت احسان کا انتظار تھا اس لئے کہ تصوف کی اصطلاح میں حضرت شہیدؒ "فنا" کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو چکے تھے۔ ان کے خط کے ایک ایک حرف سے فنائیت اور خود فراموشی اور اتباع شیخ کے جذبات واضح طور پر نظر آرہے تھے اور سونا بھٹی سے کندن ہو کر نکل چکا تھا۔ اب اس کے اظہار اور کام لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت شیخ کی دوربین نگاہیں مستقبل میں جھانک رہی تھیں، سلسلہ امدادیہ کے ہمہ طرق کی تقویت حضرت شہیدؒ کے وجود باسعود کے مقدر میں لکھی جا چکی تھی، اس لئے فوری طور پر جواب کے ساتھ خلافت کی خلعت سے سرفراز فرما کر درج ذیل جواب تحریر فرمایا:

باسمہ سبحانہ

"مکرم و محترم مد فیوضکم بعد سلام مسنون گرامی نامہ بہت دیر ہوئی پہنچا تھا مگر اس ناکارہ کی طبیعت روزانہ ہی خراب ہوتی جارہی ہے، جس کی وجہ سے ڈاک پڑھنا اور جواب لکھوانا بہت مشکل ہوا..... مگر جواب کے لئے کبھی دریغ نہیں۔ آپ کے معمولات بالخصوص ذکر بارہ تسبیح کی پابندی سے بہت مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔ استقامت و ترقیات سے نوازے۔

توکلاً علی اللہ تعالیٰ آپ کو بیعت کی اجازت دیتا ہوں، جو کوئی طالب آئے اس کو بیعت کر لیا کریں، تربیت السالک، اکمال الشیم، ارشاد السلوک اپنے مطالعہ میں رکھیں، آپ بیتی نمبر ۶ میں جو اجازت کے متعلق مضمون ہے اس کو بھی مطالعہ میں رکھیں، اجازت بیعت کی حیثیت ایک سند کی سی ہے اس کو دلیل کمال نہیں سمجھ لینا چاہئے بہت سے لوگوں کو اس گمان میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے ملاء اعلیٰ سے تحت الثریٰ میں گرتے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے اس کو دلیل کمال سمجھ کر معمولات چھوڑ دیئے، حالانکہ اس کے بعد تو ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے، یہ تو دلیل مناسبت ہے کہ آدمی اس کے بعد اگر محنت و مجاہدہ سے اس نسبت کو بڑھائے تو ترقی کرتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ نسبت ختم ہو جاتی ہے، چنانچہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کا واقعہ تذکرۃ الرشید میں بھی اور میری دوسری تالیف میں بھی کثرت سے مذکور ہے کہ حضرت کو حضرت حاجی صاحب نے بیعت کے ایک ہفتہ کے بعد فرمادیا تھا کہ: "میاں رشید احمد مجھے تو جو کچھ دینا تھا دے دیا اب بڑھانا تمہارا کام ہے" اور دوسرے موقع پر کسی کے استفسار پر کہ "حضرت پھر کیا ہوا؟" حضرت گنگوہی نے ارشاد فرمایا کہ: پھر تو میں مر مٹا، حضرت گنگوہی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ جو کچھ مجھے دینا تھا دے دیا، اس وقت تو مجھے کچھ پتہ نہیں چلا تھا کہ حضرت نے کیا چیز مجھے دی، مگر اب مجھے معلوم ہوا کہ وہ کیا چیز تھی؟ میرا تو جی چاہتا تھا کہ بہت تفصیل سے لکھوں مگر میری طبیعت بھی خراب ہے بہت مشکل سے یہ چند سطور لکھوا سکا ہوں، آپ کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔ فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث

۷ جون مدینہ طیبہ ۱۹۸۰ء

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے تصور کے خلاف جب یہ خلافت نامہ پہنچا تو آپ پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سی کیفیت طاری ہوئی کہ آگ لینے گئے تھے پیغمبری مل گئی۔ حضرت نے تو اپنی بے بضاعتی کا ذکر کر کے معمولات کے اضافہ کی درخواست کی تھی، مگر ادھر

سے شیخ نے آپ پر خلافت کی بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال دیا، اس لئے آپ پر ایک عجیب گریہ کی صورت پیدا ہوئی۔ چنانچہ آپ نے اس جواب پر ان الفاظ کا یہ نوٹ تحریر فرمایا:

"یہ صحیفہ مبارکہ ۳۰ رجب ۱۴۰۰ھ کو موصول ہوا۔ اس کو پڑھتے ہی نہایت رقت سے گریہ طاری ہوا۔

اے اللہ! میری جو حالت ہے وہ آپ کے سامنے ہے، یا اللہ! اپنے مقبول بندوں کے حسن ظن کو قبول فرما اور اپنے اس نالائق و گناہگار بندے کو ان کی جوتیوں میں جگہ عطا فرما۔" محمد یوسف

۳۰ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

اندازہ کیجئے، ایک طرف قطب وقت سے خلافت کا اعزاز مل رہا ہے اور ادھر دوسری جانب حضرت شہیدؒ کی تواضع اور فنائیت کا یہ عالم کہ بجائے اپنی حالت پر ناز اور فرحت و خوشی کے اظہار کے اپنے نفس کے محاسبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے خوشی اور غم میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں۔

شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی خلافت کے باوجود آپ حتی الوسع بیعت کرنے سے گریز اور احتراز کرتے رہے اور کوئی طالب آتا تو اس کو حضرت شیخ کی طرف بھیجا کرتے اور اس کے سامنے اپنی حالت منکشف کر دیتے اکثر فرماتے: "اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی ہوئی ہے ورنہ اگر ہماری حالت کو اللہ تعالیٰ دنیا پر ظاہر فرما دیں تو لوگ ہم پر تھوکیں بھی نہیں۔" حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ یہ تصنع یا تکلف کی بنا پر نہیں فرماتے تھے بلکہ منازل سلوک طے کر کے آپ کی یہ حالت ہو گئی تھی اور واقعتاً آپ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اپنے آپ کو دنیا کا کمتر انسان گردانتے تھے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کے باوجود شیخ کے دور ہونے کی بنا پر (جیسا کہ آپ نے خط میں تحریر فرمایا تھا کہ دور افتادہ اور بد استعداد ہوں) آپ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اجل حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں تشریف لے جاتے اور تصوف و سلوک کے سلسلے میں ان سے مشاورت فرماتے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ سے بہت زیادہ شفقت کا معاملہ فرماتے اور خصوصی طور پر اپنے قریب بٹھاتے اور آپ کو اپنی مجلس کی رونق

فرماتے۔ بارہا فرمایا کہ: ''مولانا تقی عثمانی اور آپ میرے سرمایہ اور مدار نجات ہیں۔'' حضرت شہیدؒ کو بھی آپ سے والہانہ محبت تھی۔ شیخ طریقت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کی خلافت کے فوراً بعد عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور اس کا باقاعدہ اعلان فرمایا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد شدت سے حضرت شیخ کے خلفاء کرام خصوصاً حضرت ڈاکٹر اسماعیل میمن صاحب زید مجدہم نے حضرت شہیدؒ سے اصرار کیا کہ وہ بیعت کا سلسلہ شروع کریں، مگر حضرت شہیدؒ عذر فرماتے رہے جس پر ایک دفعہ ڈاکٹر اسماعیل میمن صاحب نے فرمایا کہ: ''آپ بیعت نہ کر کے شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔'' بلکہ فرمایا کہ خود حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا بھی یہی انداز تھا مگر حضرت دہلوی اور حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے زبردستی حکم دے کر بیعت کرائی اور فرمایا کہ کیا تم پر وحی آئے گی؟ جبریل علیہ السلام کے آنے کے منتظر ہو؟ بہر حال اس کے بعد حضرت شہیدؒ بادل نخواستہ بیعت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ بیعت کے لئے آنے والوں کو فرماتے: کیوں اپنی زندگی خراب کرتے ہو؟، اس ناکارہ سے بیعت کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ میں تو اس قابل نہیں ہوں۔ فلاں حضرت کے خلیفہ کے پاس چلے جاؤ، فلاں سے بیعت کر لو، استخارہ کر لو، مگر جب بہت ہی مجبور ہوتے تو بیعت فرما لیتے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد تو آپ پر بیعت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ علماء کرام، مشائخ عظام اور عوام الناس کا ایک سیلاب تھا جس کا رخ آپ کی طرف ہو گیا جو ایک دفعہ زیارت کر لیتا گرویدہ ہو کر مرید بن جاتا، رفتہ رفتہ آپ پر تصوف کا رنگ اتنا غالب ہوا کہ تصنیف و تالیف اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے کام کے علاوہ زیادہ وقت مسند رشد و ہدایت پر ہی صرف ہوتا۔ فجر کے بعد سے لے کر رات بارہ ایک بجے تک متوسلین، متبعین اور مریدین کا مجمع رہتا۔ فجر سے قبل مسجد فلاح ذاکرین کے ذکر کی روحانی کیفیت سے سرشار نظر آتی۔ آپ کا معمول تہجد کے بعد فجر سے قبل ذکر کا تھا لیکن وہ آپ اپنے گھر پر کرتے مگر آپ کے متوسلین اکثر مسجد میں ذکر کرتے، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح بیعت کے لئے آپ کی شرائط بہت زیادہ سخت تھیں مگر اس کے باوجود مریدین ٹوٹے پڑتے تھے بغیر داڑھی والے، یا غیر شرعی داڑھی

والے کو آپ اس وقت تک بیعت نہ کرتے جب تک وہ توبہ کر کے اپنی داڑھی کو شرعی نہ کر لیتا۔ کالر والے لباس یا غیر شرعی لباس پہننے والے کو بیعت نہ کرتے، بلکہ ان لوگوں سے معانقہ تک سے احتراز کرتے، دعا کے لئے کہتے تو فرماتے کہ دعا کس طرح قبول ہو گی تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کیا ہوا ہے۔ بیعت کراتے ہوئے آپ ان الفاظ سے تجدید ایمان اور گناہوں سے توبہ کراتے :

(الفاظ بیعت مع خطبہ)

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا۔ من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له۔ ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له ونشهدان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله۔ صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اله واصحابه وبارک وسلم تسليماً كثيراً كثيراً۔

امابعد فاعوذبالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولاً سديداً يصلح لكم اعمالكم ويغفرلكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزاً عظيما

ان الذين يبايعونک انما يبايعون الله يدالله فوق ايديهم۔ فمن نكث فانما ينكث علىٰ نفسه ومن اوفى بما عاهد عليه الله فسيوتيه اجراً عظيماً

جو الفاظ میں کہتا ہوں وہ کہتے جاؤ :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ)

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ

ہم گواہی دیتے ہیں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور ہم گواہی

دیتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے سچے رسول ہیں۔

ایمان لائے ہم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے نبیوں پر اور قیامت کے دن پر اور اس بات پر کہ اچھی یا بری تقدیر اللہ کی جانب سے ہے۔ اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔

ہم نے توبہ کی کفر سے، شرک سے، بدعت سے، جغلخوری سے، بے حیائی کے کاموں سے، تہمت لگانے سے، چوری سے، برا یا مال ناحق کھانے سے، اور ہم توبہ کرتے ہیں ہر گناہ سے چھوٹا ہو یا بڑا، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ: انشاء اللہ، انشاء اللہ، انشاء اللہ آئندہ کوئی گناہ نہیں کریں گے اور جو ہو جائے گا فوراً توبہ کریں گے۔ یا اللہ! ہماری توبہ کو قبول فرما۔ (آمین)

ہم نے بیعت کی حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ سے محمد یوسف لدھیانوی کے ہاتھ پر۔ یا اللہ! ہماری اس بیعت کو قبول فرما اور دنیا و آخرت میں اپنے محبوب اور مقبول بندوں کا ساتھ نصیب فرما۔

سلوک کی منازل طے کرانے میں آپ کا انداز مشفقانہ تھا، سختی نہیں فرماتے تھے بلکہ ترغیب اور تصرف کا زیادہ استعمال فرماتے۔ بیعت کرتے ہی مریدین میں سنت کا رنگ غالب آنے لگتا، آپ باجماعت نماز اور تکبیر تحریمہ کا وعدہ لازمی طور پر لیتے اور باجماعت نماز سے غفلت اور تکبیر تحریمہ کے تارک کو سخت تنبیہ فرماتے، شفقت کے انداز میں آپ کسی بے داڑھی والے کے چہرے پر ہاتھ پھیر لیتے تو حضرت کی کرامت یا ہاتھ کی برکت کا ایسا اثر ہوتا کہ وہ چہرہ کچھ دن بعد داڑھی سے مزین ہو جاتا۔ مفتی خالد محمود نائب مدیر اقرأ روضۃ الاطفال کے مطابق اقرأ روضۃ الاطفال لاہور ٹرسٹ کے معاون، نعمت ٹرسٹ کے ایک اجلاس میں حضرت شہید شریک ہوئے تو ایک یا دو فرد داڑھی والے تھے مگر جب کچھ عرصہ بعد دوبارہ اجلاس ہوا تو ایک دو کے علاوہ باقی تمام ٹرسٹی داڑھی کی نعمت سے مزین ہو چکے تھے۔ باجماعت نماز کا اہتمام اور تلاوت کلام پاک اور مختصر تسبیحات کے ذریعہ آپ اصلاح فرماتے۔ عام طور پر معمولات میں صبح و شام ایک تسبیح تیسرا کلمہ، ایک تسبیح درود شریف، اور ایک تسبیح استغفار اور ایک پارہ تلاوت کلام پاک، حفاظ

کے لئے تین پارے، مناجات مقبول کی ایک منزل اور حضرت مخدوم ہاشم کی مرتب کردہ درود شریف کی کتاب ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ کی ایک منزل پڑھنے کی تلقین فرماتے۔ حالات سے اطلاع کی صورت میں مزید وظائف بتاتے، عام طور پر مختصر ذکر کرنے کا حکم دیتے جو آٹھ تسبیحات پر مشتمل ہوتا تین سو مرتبہ لا الہ الا اللہ اور پانچ مرتبہ اسم ذات، اس سے زیادہ کام کرنے والوں کو دوازدہ تسبیح کی بھی تلقین فرماتے۔ ہر مرید کے حسب حال وظائف اور معمولات بھی تجویز فرماتے۔ ہر جمعرات کی مجلس میں اصلاحی بیان فرماتے، جمعۃ المبارک کا بیان بھی اصلاحی عنوانات پر مشتمل ہوتا، بیس سال میں لاکھوں افراد نے آپ سے اصلاح حاصل کی۔ زندگی کے آخری دور میں پیرانہ سالی اور بیماری کے باوجود آپ نے گلگت کی دشوار گزار وادیوں میں سفر کیا اور اصلاحی مجالس کے ذریعہ ہزاروں افراد نے ایک ہفتہ میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کر کے بیعت کی اور اپنی زندگی کا رخ تبدیل کیا۔ لندن، افریقہ اور دیگر ممالک میں آپ کے مریدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ تصوف و طریقت میں آپ کا انداز بہت زیادہ سہل تھا، اس لئے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ رہی اور اسی طرح آپ پر حسن ظن بہت زیادہ غالب ہو گیا تھا، خاص کر عمر کے آخری حصہ میں شفقت و محبت کے غلبہ اور دین کی اشاعت کا جذبہ آپ پر بہت زیادہ غالب آگیا تھا، اس لئے آپ نے مختلف الخیال لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنے کیلئے خصوصی طور پر شفقت کا معاملہ کیا اور اس راہ کی طرف متوجہ کیا، ان میں جمعیت علماً اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمٰن، سپاہ صحابہ کے مولانا اعظم طارق، جیش محمد کے مولانا مسعود اظہر، تبلیغی جماعت کے مولانا طارق جمیل، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، مولانا اللہ وسایا، مولانا احمد میاں حمادی، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر جیسی شخصیات شامل ہیں۔ حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر اور مولانا فضل الرحمٰن کو خلافت دیتے ہوئے فرمایا:

"آپ دونوں حضرات جس منصب پر فائز ہیں یعنی جمعیت علماً اسلام کی امارت اور جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کا اہتمام، یہ اتنا عظیم منصب ہے کہ اس پر ہمیشہ ہمارے اکابر علماً نے صاحب نسبت افراد کا تقرر کیا ہے۔ میرے دل میں آیا کہ آپ حضرات کو جب اللہ تعالیٰ نے یہ منصب علماً کرام کے ذریعہ دلوادیا تو آپ صاحب نسبت ہوں اس لئے میں آپ کو اپنے سلسلہ کی خلافت دیتا

ہوں۔ مولانا اعظم طارق نے جیل سے خط کے ذریعہ بیعت کی اور منازل سلوک طے کرنے کے لئے خطوط تحریر فرمائے، جیل میں آپ نے محسوس کیا کہ اب نفس تصوف کی طرف متوجہ ہو گیا ہے تو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ گلگت میں ایک جگہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت عطا فرمائی تو اپنے احباب کو فرمایا: ہم نے پنچھی کے پر کاٹ دیئے ہیں دیکھیں کیا ہوتا ہے، پھر فرمایا کہ ہم نے مولانا فضل الرحمٰن، مولانا اعظم طارق، مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا طارق جمیل کو نسبت کے ذریعہ قابو کر لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سے کام لے گا۔"

بلا مبالغہ حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہم کے بعد مسند رشد و ہدایت سے اتنا زیادہ اصلاح کا کام حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ہی نظر آتا ہے۔ خدا کرے اکابرین کا یہ سلسلہ جاری رہے۔ حضرت شہیدؒ کے درج ذیل خلفاء کرام ہیں:

(۱) حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ (امیر جمعیت علماء اسلام)
(۲) حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہ، (ملتان)
(۳) حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی (کراچی)
(۴) حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر (کراچی)
(۵) حضرت مولانا محمد اعظم طارق (صدر سپاہ صحابہؓ)
(۶) حضرت مولانا احمد میاں حمادی (ٹنڈو آدم)
(۷) حضرت مولانا مفتی منیر احمد اخون (کراچی)
(۸) حضرت مولانا مسعود اظہر مدظلہ (امیر جیش محمد ﷺ)
(۹) حضرت مولانا حسین، حسین پوری مدظلہ (ملتان)
(۱۰) حضرت مولانا منظور احمد الحسینی (لندن)
(۱۱) حضرت مولانا محمد سلیم دھورات مدظلہ (برطانیہ)
(۱۲) حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب مدظلہ (برطانیہ)
(۱۳) حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی مدظلہ (مدینہ منورہ)

(۱۴) حضرت مولانا قاری محمد یٰسین یوسفی مدظلہ (کراچی)
(۱۵) حضرت مولانا قاری محمد صدیق رحیمی مدظلہ (ملتان)
(۱۶) حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ رحیمی (مرحوم)
(۱۷) حضرت مولانا محمد سلیمان ہوشیارپوری (مرحوم)
(۱۸) حضرت مولانا رب نواز صاحب مدظلہ (حیدرآباد)
(۱۹) حضرت حافظ فیروزالدین صاحب مدظلہ (کراچی)
(۲۰) حضرت مولانا قاری عطاء اللہ صاحب مدظلہ (ملتان)
(۲۱) حضرت مولانا قاضی نثار احمد مدظلہ (جامع مسجد گلگت)
(۲۲) حضرت مولانا حافظ عبدالقیوم نعمانی مدظلہ (کراچی)
(۲۳) حضرت مولانا مفتی محمد اسلم مدظلہ (برطانیہ)
(۲۴) حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری مدظلہ (کراچی)
(۲۵) حضرت مولانا مفتی فضل الحق مدظلہ (بنگلہ دیش)
(۲۶) حضرت مولانا حافظ عبداللطیف مدظلہ (اورکزئی ایجنسی)
(۲۷) حضرت مولانا نعیم امجد سلیمی صاحب مدظلہ (کراچی)
(۲۸) حضرت مولانا ڈاکٹر وسیم احمد صاحب مدظلہ (کراچی)
(۲۹) حضرت مولانا ابوالاشرف احمد صاحب مدظلہ (ٹھٹھہ)
(۳۰) حضرت قاضی قائم الدین مدظلہ (ٹھٹھہ)
(۳۱) حضرت مولانا محمد ایوب الرحمٰن انوری صاحب مدظلہ
(۳۲) حضرت مولانا عبیداللہ صاحب مدظلہ (کامرو)
(۳۳) حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مدظلہ (کراچی)
(۳۴) حضرت مولانا عبدالقیوم سندھی مدظلہ (مکہ مکرمہ)
(۳۵) حضرت مولانا ابراہیم ہاشم امریکی مدظلہ (ویسٹ انڈیز)
(۳۶) حضرت مولانا مفتی نعیم میمن مدظلہ (حیدرآباد)
(۳۷) حضرت خواجہ متین الدین مدظلہ، ٹورنٹو (کینیڈا)

(۳۸) حضرت مولانا اقبال اللہ مدظلہ (کراچی)
(۳۹) حضرت مولانا احسان اللہ ہزاروی (کراچی)
(۴۰) مفتی محمد جمیل خان (کراچی)
(۴۱) حضرت مولانا طارق جمیل مدظلہ (تبلیغی مرکز رائیونڈ)
(۴۲) حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ (ملتان)
(۴۳) حضرت مولانا محمد انور فاروقی مرحوم (کراچی)
(۴۴) حضرت مولانا الشیخ عبدالسمیع فقیر مدظلہ (کراچی)
(۴۵) حضرت مولانا قاری عبدالرشید مدظلہ (حیدر آباد)
(۴۶) حضرت مولانا امیر عبداللہ مدظلہ (افغانستان)
(۴۷) شیخ القرآن حضرت مولانا محمد افضل مدظلہ
(۴۸) حضرت مولانا قاری محمد طیب نقشبندی مدظلہ
(۴۹) سید اطہر عظیم (مجاز صحبت)، کراچی

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کی طرح آپ بھی ماہ مبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا خصوصی اہتمام فرماتے اور گویا پورے سال میں دس دن کے لئے آپ ایک خصوصی خانقاہ کے طرز پر متوسلین کی تربیت فرماتے۔ کراچی کے علاوہ مختلف علاقوں سے آپ کے مریدین سینکڑوں کی تعداد میں اعتکاف کے لئے پہنچتے۔ اس میں بھی حضرت کی شرائط بہت سخت ہوتیں کہ کسی بغیر داڑھی والے شخص کو اعتکاف کی اجازت نہیں دی جاتی، کم عمر نوجوانوں کو اعتکاف میں بیٹھنے نہیں دیا جاتا، اس پورے دس دن کے دوران حضرت خصوصی طور پر اس کا اہتمام فرماتے کہ زیادہ تر لوگ خاموش رہ کر اللہ تعالیٰ سے لو لگائیں اور ایک دوسرے سے تعلقات پیدا کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھیں۔ تہجد سے رات گئے تک کے معمولات میں ایک لمحہ کی فرصت نہیں دی جاتی۔ رات تین بجے تہجد کی نماز ادا کی جاتی، خصوصی طور پر اہتمام کر کے معتکفین کو جگایا جاتا۔ سحری ساڑھے چار بجے آخری وقت میں کرائی جاتی، اس کے بعد فجر کی نماز کے بعد یٰسین شریف کا ختم کیا جاتا، اور کچھ دیر وظائف کے بعد اشراق کی ادائیگی کے بعد معتکفین آرام کرتے اور حضرت بھی آرام فرماتے دس بجے تمام معتکفین کو جگادیا

جاتا اور تمام ساتھی تبلیغی احباب کی نگرانی میں سورتوں کی اصلاح اور دعائیں وغیرہ یاد کرتے، بعد نماز ظہر ختم خواجگان ہوتا اور مجلس ذکر منعقد ہوتی۔ اس کے بعد انفرادی اعمال اور تلاوت کلام پاک میں احباب مشغول ہو جاتے، بعد نماز عصر حدیث شریف کا درس ہوتا اس کے بعد افطاری اور وقت افطار کی انفرادی دعا کی تیاری میں ساتھی مشغول ہو جاتے زیادہ تر احباب دعائیں یا تلاوت میں مصروف رہتے۔ افطار کے بعد کھانا اور وضو کے بعد عشاً کی نماز اور تراویح ادا کی جاتی ہے۔ تراویح کے بعد درود شریف کی چہل حدیث پڑھی جاتیں اور حیاۃ الصحابہ سے تعلیم ہوتی کچھ دیر معتکفین آرام کرتے یا انفرادی تقاضے پورے کرتے، طاق راتوں کو تراویح کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد حضرت شہیدؒ ایک گھنٹہ اصلاحی بیان فرماتے اور پھر طویل دعا فرماتے۔ تراویح کے بعد یا اصلاحی بیان کے بعد حضرت شہیدؒ ابتدائیں قاری محمد عبداللہ صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی سے تین تین پارے قرآن مجید نفلوں میں سنتے ان کے انتقال کے بعد میں قاری محمد عثمان اور صاحبزادہ مولوی محمد یحییٰ لدھیانوی سے قرآن مجید سنتے رہے۔ اس طرح چوبیس گھنٹہ میں بمشکل تین چار گھنٹہ آرام فرماتے، اس اعتکاف میں آخری سال سات سو کے قریب ستائیس رمضان کے بعد ڈیڑھ ہزار کے قریب متوسلین شریک اعتکاف ہوئے تھے، طاق راتوں کے بیان میں مسجد کے اطراف کی تمام سڑکوں اور میدان کی طرف سامعین کا ایک اژدھام ہوتا تھا۔ چالیس اور پچاس ہزار سے زائد افراد شرکت کرتے حضرت اگرچہ بآواز بلند دعا نہیں فرماتے تھے لیکن آپ کی آہ وزاری کی وجہ سے پوری مسجد دعا کے دوران آہوں اور سسکیوں کے ساتھ آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر کے اپنے خدا تعالیٰ کو راضی کرتی نظر آتی۔

حضرت شہیدؒ اور تبلیغی جماعت :

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا دور تو نہیں ملا مگر آپ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے محبت کو نجات کا مدار گردانتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ المعروف حضرت جی! سے آپ کو خاص عقیدت تھی جیسا کہ حضرت شہیدؒ نے لکھا ہے کہ مجھے حضرت جیؒ سے بے پناہ محبت تھی۔ اسی نسبت سے تبلیغی جماعت کے ساتھ آپ کو خاصی وابستگی تھی۔ ابتدائی دور میں آپ نے کئی چلے لگائے بلکہ سالانہ

ایک چلے کا اہتمام فرماتے، اکثر مقامی کام میں بھی شرکت کرتے، سہ روزہ اور عشرہ کا بھی اہتمام کرتے اور تعلیم وغیرہ میں بھی شرکت فرماتے، بعد میں تبلیغی تصنیفی اور اصلاحی مصروفیت کی بنا پر آپ کو وقت نہیں ملتا تو صرف ساتھیوں کی تائید و نصرت فرماتے۔ کراچی مسجد فلاح تشریف لانے کے بعد مقامی تبلیغی احباب سے آپ بہت زیادہ محبت و تعلق فرماتے اور ان کے تمام پروگراموں میں شرکت کرتے۔ حضرت مولانا سعید احمد صاحب، بھائی عبدالوہاب صاحب اور دیگر تبلیغی اکابر کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق تھا۔ مولانا سعید احمد خان صاحب مدینہ منورہ میں آپ کی خصوصی دعوت فرماتے۔ یہ حضرات کراچی تشریف لاتے تو خصوصی طور پر ملاقات کے لئے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، دفتر ختم نبوت یا مسجد فلاح تشریف لاتے، حضرت شہیدؒ رائیونڈ اجتماع، کراچی اجتماع یا خصوصی جوڑ وغیرہ میں شرکت کے لئے تشریف لے جاتے، کبھی کبھی شب جمعہ میں مدنی مسجد بھی تشریف لے جاتے۔ جامع مسجد فلاح میں تشکیل کے موقع پر ساتھیوں کو اور اپنے مریدین کو شرکت کی تلقین کرتے بلکہ بعض مرتبہ خود بیان فرما کر تشکیل میں حصہ لیتے۔ جماعتوں کو رخصت فرماتے، گلگت میں تبلیغی مرکز میں آپ نے آخری سفر میں بیان فرمایا، لندن اور بیرونی اسفار میں بھی تبلیغی مراکز میں آپ کے بیانات ہوتے، رائیونڈ میں امتحان لینے کے لئے ہر سال آپ کو بلایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے آخری عمر میں آپؒ سے اس سلسلہ میں ایک عظیم خدمت اور کام لیا اور وہ یہ کہ حضرت جیؒ کی مرتب کردہ چھ باتوں کی تشریح پر مشتمل عربی تصنیف کا آپ نے ترجمہ کیا اور اسے ایڈٹ کر کے اس پر اضافوں کے ساتھ اس پر حوالہ جات نئے سرے سے لگائے۔ اعتکاف میں تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم دس دنوں کے لئے اپنی مسجد تبلیغی جماعت کو ٹھیکہ پر دے رہے ہیں اکثر معمولات تبلیغی وغیرہ ہی کراتے۔ بہر حال زندگی بھر آپ تبلیغی جماعت کے بہت زیادہ مؤید رہے اور خصوصی طور پر اس کام کی اہمیت کا تذکرہ عام مسلمانوں میں فرماتے اور اس کو مسلمانوں کے لئے نعمت قرار دیتے۔

دینی مدارس کے تحفظ کے لئے حضرت شہیدؒ کی خدمات :

دینی مدارس کو آپؒ مسلم معاشرہ کی بقا کا ذریعہ تصور کرتے اور ان مدارس کے تحفظ کے لئے ہمہ قسم کی قربانی کا جذبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصیت سے عطا فرمایا تھا۔ "مولویت" آپ کا

طرۂ امتیاز تھی اور آپ نہ صرف حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مولویت کو باعث فخر تصور کرتے بلکہ مولویوں کو کسی دوسرے کام میں مشغول دیکھ کر بہت زیادہ کڑھتے، مولوی فاضل یا منشی فاضل یا حکمت کا کورس وغیرہ کرنے یا عصری تعلیم کا پیوند لگانے کو مولوی کے لئے زہر قاتل تصور کرتے۔ مدارس کی چٹائیوں کو اونچے اونچے عہدوں پر فوقیت دیتے اور اس کی تلقین بھی کرتے۔ آپ کو اسلامی نظریاتی کونسل، رویت ہلال کمیٹی اور دیگر کئی عہدے پیش کئے گئے مگر آپ نے ہر ایک کو ٹھکرادیا، آپ مولوی کے لئے سرکاری نوکری یا سرکار کی خوشامد کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے اکابر کی طرح دینی مدارس کی خود مختاری اور تحفظ کو ضروری قرار دیتے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے زمانہ میں دینی مدارس کے خلاف مہم چلی تو آپ نے حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں اس مہم کو ناکام بنایا۔ بینات وغیرہ میں مضامین شائع کئے، پھر جنرل ضیاالحق مرحوم کے دور میں جب دینی مدارس کے خلاف آواز اٹھی اور ان کو سرکاری تحویل میں لینے کا عندیہ ظاہر کیا گیا بلکہ ایک بورڈ تشکیل دے کر مدارس کے نصاب کو جدید نصاب سے ہم آہنگ کرنے کے منصوبے کا آغاز کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی مشاورت سے وفاق المدارس کے تعاون سے بھرپور مزاحمت کی اور روزنامہ جنگ میں بڑے وقیع اور مدلل مضامین کے ذریعہ اس منصوبہ کو مسترد کیا جس پر جنرل ضیاالحق مرحوم کو مشائخ کنونشن میں ہاتھ جوڑ کر اعلان کرنا پڑا کہ ہمارا ایسا کوئی منصوبہ نہیں۔ ایک دفعہ گورنر پنجاب نے دینی مدارس کے خلاف ہرزہ سرائی کی تو حضرت شہیدؒ نے بہت سخت انداز میں اس کو للکارا، اسی طرح احمد ندیم قاسمی بھی ایک دفعہ مدارس پر مہربان ہوئے تو حضرت شہیدؒ نے مدلل جواب کے ذریعہ ان کو ساکت کیا۔ نواز شریف مدارس کے خلاف میدان میں آئے تو جمعیت علماء اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں تحریک چلی، اس موقع پر بھی آپ نے بھرپور انداز میں تعاون کیا۔ دینی مدارس کے تحفظ کے ساتھ آپ اس کے قیام اور ترقی و ترویج کے لئے بہت زیادہ کوشش کرتے۔ سینکڑوں مدارس آپ کی سرپرستی میں قائم ہوئے اور چل رہے ہیں جبکہ ہزاروں مدارس کی آپ خصوصی طور پر امداد کرتے، رمضان المبارک میں دینی مدارس کے سفراء اور علماء کرام کا تانتا بندھا رہتا اور آپ بہت خوش دلی کے ساتھ

ان مدارس کو تصدیقات مرحمت فرماتے۔ خصوصی خطوط کے ذریعہ مختلف احباب خیر کے پاس بھیج کر تعاون کراتے۔ آپ کی مسجد میں ہر نماز میں کئی کئی مدارس کے لئے لاکھوں کا چندہ ہوتا۔ گزشتہ سال آپ نے تیس لاکھ روپے سے اوپر صرف مسجد فلاح سے مدارس کے لئے تعاون کرایا جبکہ دیگر مقامات سے اس کے علاوہ رقوم آپ نے دلوائیں۔ آپ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب کے مسلک پر پورا یقین رکھتے تھے کہ مدارس کے قیام سے مدارس کی ضرورتیں خود بخود پوری ہو جاتی ہیں، اس پر ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ :

"ایک دفعہ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب تشریف فرما تھے کہ مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی ناظم مدرسہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے تشریف لائے اور فرمایا کہ مدرسہ میں نہ رقم ہے اور نہ ہی آٹا، دال، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ امداد فرمائے۔ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب نے یہ سن کر تھوڑی دیر سر جھکایا اور پھر سر اٹھا کر فرمایا : حبیب اللہ کوئی ایسی مسجد دیکھو جس میں مکتب نہ ہو، وہاں فوراً جا کر مکتب شروع کرادو۔"

مولانا فاضل رشیدی حیران ہوئے کہ مدرسہ میں کھانے کو نہیں اور یہ مکتب کھولنے کا کہہ رہے ہیں، بہر حال حکم تھا، فوری طور پر مضافات کی ایک ویران مسجد میں جا کر مدرسہ شروع کر دیا اور آکر اطلاع دی۔ حضرت نے فرمایا : تمہارا کام ہو جائے گا۔ یہ اطلاع دے کر مدرسہ سے باہر نکلنے کے ارادہ سے دروازہ پر پہنچے تو غلہ مارکیٹ کا صدر آتا ہوا نظر آیا۔ مولوی صاحب کو دیکھتے ہی بولا کہ مولوی صاحب مارکیٹ کی طرف سے غلہ جمع کر کے مدرسہ کے لئے رکھا ہوا ہے آپ کب اٹھائیں گے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ فوراً ابھی بھیجو، اس کے بعد بیس ہزار روپے پیش کئے کہ یہ بھی مارکیٹ والوں نے مدرسہ کے لئے جمع کئے ہیں، میں وہ دینے کے لئے آیا تھا۔ اسی طرح حضرت شہیدؒ بھی ہر عالم دین کو تلقین کرتے کہ اپنے اپنے علاقوں میں مدارس قائم کریں، پاکستان سے باہر بھی آپ نے بہت زیادہ مدارس قائم کئے۔

حضرت شہید بحیثیت مدیر اقرأ روضۃ الاطفال :

اقرأ روضۃ الاطفال کا آغاز امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن، مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی

حسن ٹونکی، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی، حضرت مولانا سید مصباح اللہ شاہ، حضرت مولانا سلیم اللہ خان اور دیگر اکابر علمأ کرام کی موجودگی میں حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ابتدا ہی سے اقرأ کی سرپرستی خصوصی طور پر فرماتے تھے، امام اہلسنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ، بمطابق ۱۹۹۵ء میں حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ سے مدینہ منورہ میں درخواست کی گئی کہ وہ اقرأ روضۃ الاطفال کا باقاعدہ اہتمام قبول کرلیں۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس درخواست کو قبول فرماکر ایک تحریر مرحمت فرمائی جس میں تحریر فرمایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

برادرم مولانا محمد جمیل خان کی فرمائش پر "توکلاً علی اللہ اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ کے صدر و مہتمم کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔

حق تعالیٰ شانہ اس ادارے کو اپنی رضا کے مطابق قائم دائم رکھے اور اس کے تمام کارکنان کو اخلاص و رضا کی دولت سے سرفراز فرمائے اور جملہ معاونین کے لئے اس کو صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین برحمتک یارب العالمین

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

نزیل مدینہ منورہ

زادها الله شرفاً وكراماً

ببركة ساكنها ﷺ تسليماً

۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ

۷ فروری ۱۹۹۵ء

اہتمام سنبھالتے ہیں حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ اقرأ روضۃ الاطفال کی ترقی کے لئے لاہور، جہانیاں، پنڈی، پشاور، گلگت کے تفصیلی دورہ کئے۔ ہر شاخ کے افتتاح کے موقع پر فرماتے کہ انشاء اللہ یہ شاخ کامیاب ہوگی، جلدی دوسری شاخ شروع کریں گے۔ حضرت رحمۃ

اللہ علیہ کی دعاؤں کی برکت اور آپ کی انتھک محنت سے اقرأ روضۃ الاطفال نے بہت تیزی سے ترقی کی اور مختلف شہروں میں شاخوں کا آغاز ہوگیا، ہر جگہ آپؒ شاخ کے افتتاح کے لئے تشریف لے جاتے، سالانہ تقریب ختم قرآن میں شرکت کرتے، لوگوں کو اقرأ کھولنے، اقرأ میں بچے داخل کرنے کی ترغیب دیتے، آپ کی ترغیب سے گلگت میں جب کام شروع ہوا تو آپ موسم کی خرابی، راستہ کی دشواری کے باوجود شاخوں کے افتتاح کے لئے خود تشریف لے گئے اور کئی کئی گھنٹے کا طویل سفر کر کے اقرأ کی شاخوں کا افتتاح کیا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ آپ کی جدوجہد کے نتیجے میں الحمدللہ اس سال گلگت میں ۱۹ شاخیں قائم ہو چکی ہیں، جبکہ مزید ۶۵ کے قریب شاخوں کا منصوبہ ہے۔ الغرض اقرأ روضۃ الاطفال نے آپ کے دور اہتمام میں بہت زیادہ ترقیات کیں اور اس وقت پورے پاکستان میں ۴۰ سے زائد شاخوں میں پچیس ہزار تعلیم حاصل کرنے والے بچے آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں اور مزید منصوبوں پر کام جاری ہے۔

حضرت شہیدؒ کے بیرونی اسفار :

شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش ہوتی کہ سفر کم سے کم کریں تاکہ تصنیف و تالیف اور درس و تدریس اور اصلاح و تزکیہ نفوس کا کام جاری رہے، اس کے باوجود اسفار حج و عمرہ کے علاوہ تردید قادیانیت اور قادیانی مقدمات کے سلسلے میں آپ نے جنوبی افریقہ اور عرب امارات اور انگلینڈ کے اسفار کئے، انگلینڈ کے اسفار کا تذکرہ تو ختم نبوت کی خدمات کے عنوان سے ہو چکا ہے۔ جنوبی افریقہ کا طویل سفر آپ نے مسلمانان افریقہ کی دعوت پر قادیانیوں کے ایک مقدمہ کے سلسلے میں کیا تھا۔ یہ سفر اگرچہ ایک اعتبار سے تو آرام دہ تھا کہ زیادہ ادھر ادھر جانا نہیں تھا بلکہ ایک جگہ بیٹھ کر کام کرنا تھا مگر اس اعتبار سے بہت زیادہ محنت طلب تھا کہ وکلأ کی ٹیم اور ختم نبوت کے نمائندوں کو تیار کرنا ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں بے شمار کتابوں کا مطالعہ کر کے ہر دن کے اعتبار سے تیاری کرانا ہوتی تھی اس کے لئے دن رات محنت کرنی پڑتی تھی۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بہت جانفشانی سے اس سلسلے میں کام کیا، ڈاکٹر محمود غازی کے مطابق زیادہ تر تیاری حضرت شہیدؒ ہی کرایا کرتے تھے۔ اس سفر میں آپ نے کچھ علاقوں کا دورہ کر کے علمأ کرام سے ملاقاتیں بھی کیں اور کئی ماہ تک آپ اس سلسلہ میں

جوہانسبرگ میں مقیم رہے۔ دوسرا سفر آپ نے ختم نبوت دفتر لندن کے فنڈز کے سلسلے میں عرب امارات وغیرہ کا کیا تھا۔ ایک اہم سفر آپ نے ازبکستان کا ایک ہفتے کا کیا، جس میں تاشقند، سمرقند اور بخارا تشریف لے گئے۔ بخارا میں ایک مسجد قادیانیوں کو دی جارہی تھی اس کو رکوایا لاکھوں کی تعداد میں قرآن کریم شائع کر کے تقسیم کیے۔ ظلمت کدہ کفرستان میں قرآن کریم شائع کرائے۔ مساجد اور مدارس قائم کئے، دینی کتب کی تقسیم کا بھی اہتمام کیا۔ اس کے علاوہ آپ کے تمام اسفار عمرہ و حج کے ہیں۔

۱۳۸۸ھ مطابق ۱۹۶۸ء میں حضرت شہیدؒ پہلی مرتبہ اپنے والد محترم کے ساتھ حج کی سعادت کے لئے تشریف لے گئے۔ والد محترم کا بھی پہلا حج تھا اور حضرت شہیدؒ کا بھی پہلا حج۔ اس حج میں آپ کو دو سعادتیں حاصل ہوئیں ایک والد صاحب کی خدمت اور دوسری حج کی سعادت۔ والد محترم حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے سے تعلق رکھتے تھے، جہاں مجاہدہ ہی مجاہدہ کا رواج تھا۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نوجوان تھے۔ اس سفر میں جو برکتیں اور تجلیات ربانی اور روضہ مبارک کی لذتیں لوٹی ہوں گی وہ تو حضرت شہیدؒ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز ہے۔ ویسے بھی حضرت شہیدؒ اخفاً کے بہت زیادہ قائل تھے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر تھے کہ ساغر چھلکے نہیں۔ بقول حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے سمندر کے سمندر پی لئے مگر ڈکار تک نہیں لی، مسلک حقہ علمائے دیوبند میں اظہار ظرف کے چھلکنے کی دلیل ہے، اس بنا پر سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کوئی درود شریف مرحمت فرمائیں کہ جس کو پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے؟ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''آپ کی بڑی ہمت ہے ہمیں تو مواجہ شریف جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔'' حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''اگر یہ دو حرف کی تہمت (علم کی نسبت) نہ لگی ہوتی تو کوئی جانتا بھی نہیں کہ قاسم کون ہے؟'' حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں حضرت گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ کے ہم مسلک و مشرب تھے۔ بارہا آپ نے فرمایا کہ مواجہ شریف میں جانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ بہر حال پہلے حج میں آپ نے والد محترم کے ساتھ خوب بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی اور روضہ

مبارک کی برکات لوٹیں، آپ کے والد محترم پندرہ سپارے تلاوت کرتے، حضرت شہیدؒ کو تو ویسے بھی قرآن مجید سے خصوصی شغف تھا اس لئے طواف کے علاوہ باقی وقت تلاوت کلام پاک میں گزرتا، پہلا حج تھا اس لئے آپ غار حرا، غار ثور اور دیگر زیارتوں پر بھی تشریف لے گئے۔ تہجد کے لئے حرم شریف پہنچ کر معمولات شروع فرماتے اور رات گئے تک مصروف رہتے، تکبیر تحریمہ کا تو ویسے بھی اہتمام تھا، بیت اللہ شریف میں اس کی اہمیت میں اضافہ ہو جاتا۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران تلاوت کلام شریف کے ساتھ کثرت سے درود شریف پڑھنے کا معمول تھا، کئی کئی ہزار درود شریف کا روزانہ ورد فرماتے۔ زیادہ وقت مسجد نبوی میں گزارتے، پہلے حج کے معمولات چونکہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ بتایا نہیں کرتے تھے، اس لئے گاہ بگاہ بے خیالی میں آپ نے جو بیان کیا اس کی روشنی میں اور آپ کے حالات سے اتنے ہی دستیاب ہو سکے، البتہ آخری پندرہ بیس سال سے آپ کے معمولات میں حضرت مولانا سید یوسف بنوری، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، حضرت مولانا فقیر محمد صاحب، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرح یہ ہو گیا تھا کہ ماہ مبارک کے پہلے پندرہ سترہ دن مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں گزارتے اسی طرح حج کے لئے بھی تشریف لے جاتے۔ غالباً ایک مرتبہ ناغہ ہوا کہ ویزہ نہ لگ سکا، ان اسفار میں حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ کراچی سے کئے جانے والے عمرہ اور مدینہ منورہ سے کیا جانے والا عمرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرماتے، اس کے بعد اکثر روزانہ ایک عمرہ ضرور فرماتے۔ رات کے تیسرے پہر اٹھ کر اپنے مکان پر تہجد ادا فرماتے، اس کے بعد ذکر فرماتے۔ مناجات مقبول اور درود شریف کی کتاب ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ کی طباعت کے بعد اس کتاب کی منزل پڑھتے۔ پھر ہلکی سحری فرماتے، فالج سے قبل فجر کی نماز اہتمام کے ساتھ بیت اللہ شریف یا مسجد نبوی میں ادا فرماتے اور رمضان المبارک میں فوری طور پر واپس تشریف لا کر آرام فرماتے، دس بجے عمرہ کی ادائیگی فرماتے، ظہر کے بعد کچھ دیر تلاوت فرماتے اور اس کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے، عصر کی نماز کے بعد ایک گھنٹہ تلاوت فرماتے اور اس کے بعد افطار سے پہلے ایک طواف فرماتے۔ مغرب کی نماز کے بعد اوابین پڑھ کر گھر تشریف لاتے اور کھانا تناول فرما کر کچھ دیر استراحت فرماتے، عشاء کی نماز کی ادائیگی کے بعد پہلے قاری عبداللہ صاحب اور پھر راقم الحروف سے تین

تین سپارے تراویح میں سنتے اس کے بعد کتب خانوں میں تشریف لے جاتے یا احباب تشریف لاتے، کبھی ان سے ملاقات فرماتے کبھی نشاط ہوتا تو طواف کے لئے بھی تشریف لے جاتے، فالج کے بعد دو عمرہ روزانہ کرنے کا معمول تھا، فرمایا کرتے تھے کہ: "مجھے کیا تکلیف میں تو راحت سے بیٹھا رہتا ہوں۔ "تم لوگوں کو تکلیف ہے" ایک مرتبہ تین عمرے بھی ایک دن میں ادا فرمائے اکثر اپنے احباب اور اکابر کی طرف سے عمرہ کرنے کا معمول تھا، مدینہ منورہ میں زیادہ وقت مسجد نبوی میں گزرتا اور درود شریف کا معمول کثرت سے ہوتا، آپ پر بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ میں ایک خاص خوف کی سی کیفیت طاری رہتی خاص کر مدینہ منورہ میں آپ بہت زیادہ احترام کا معاملہ فرماتے اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین کرتے، مسجد نبوی میں بہت کم کسی سے گفتگو فرماتے، اگر ضروری بات کرنی ہوتی تو دھیمے لہجے میں بات کرتے، جو کتاب تصنیف فرما رہے ہوتے، اس کے مسودات بھی ساتھ لے جاتے اور صبح آٹھ نو بجے سے لے کر ظہر تک تصنیف و تالیف کا کام فرماتے، آخری سفر میں عقائد کی کتاب کا ترجمہ فرما رہے تھے تو مولانا سعید احمد جلالپوری، مولانا امان اللہ خالدی سے ان اوقات میں املا کراتے رہے، یہاں تک کہ حاجی کیمپ اور جدہ کے قیام کے دوران بھی ترجمہ کرواتے رہے۔ ایک لمحہ بھی آپ نے کبھی ضائع نہیں کیا۔ ۱۸ رمضان المبارک کو واپسی کا معمول تھا اور واپس آتے ہی اعتکاف کا مرحلہ شروع ہو جاتا۔ ایک سال کراچی کے خراب حالات کی وجہ سے پورا ماہ حرمین شریفین میں قیام فرمایا تو بیت اللہ شریف میں اعتکاف فرمایا، وہاں بھی کافی احباب جمع ہو گئے تھے حرمین شریفین کے بزرگوں سے خصوصاً تبلیغی بزرگوں میں سے مولانا سعید احمد خان صاحب، مولانا انعام الحسن صاحب رحمہم اللہ یا دیگر احباب سے خصوصی طور پر ملاقات فرماتے۔ حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب تو بہت ہی محبت کا معاملہ فرماتے۔ گزشتہ حج کے موقع پر بھائی عبدالوہاب صاحب اور دیگر تبلیغی احباب ملنے کے لئے تشریف لائے تو آپ معلم کے یہاں گئے ہوئے تھے۔ یہ احباب وہاں تشریف لے گئے اور حضرت شہیدؒ سے ملاقات کی، حج کے پانچ دنوں میں آپ خود بھی اور ساتھیوں کو بھی بہت زیادہ اہتمام کی تلقین فرماتے۔ عرفات کے میدان میں اکثر بیان فرماتے جس میں داڑھی رکھنے کی خصوصی اہمیت دیتے بلکہ ایک حج کے موقع پر تو یہاں تک فرمایا کہ جس نے داڑھی جیسے شرعی حکم کو توڑا اس کا حج قبول نہیں ہوگا۔ زیادہ وقت آپ پر رقت طاری رہتی۔ عرفات کے پورے

وقت میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر دعاؤں میں مصروف رہتے، وقوف عرفہ کے بعد آپ پر بہت زیادہ گریہ کا غلبہ رہتا، خود دعا نہیں کراتے بلکہ راقم الحروف کو حکم دیتے کہ وہ دعا کرائے۔ فالج سے قبل کھڑے ہو کر دعا فرماتے، فالج کے بعد ویل چیئر پر نہایت آہ و زاری کے ساتھ دعا فرماتے۔ مزدلفہ کے میدان میں مغرب و عشأ پڑھ کر تھوڑی دیر آرام فرماتے اور پھر تہجد سے دعاؤں میں مشغول ہو جاتے، فالج سے قبل تک مزدلفہ سے منیٰ پیدل تشریف لاتے ایک مرتبہ حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پیدل چلنے کا مقابلہ کیا پھر فرمایا مفتی صاحب! بہت تیز چلتے ہیں، ان کا مقابلہ مشکل ہے بہر حال ہمت کے ساتھ چلتے ہوئے قافلہ سے پہلے منیٰ پہنچ گئے۔ فالج کے بعد ویل چیئر پر مزدلفہ سے منیٰ تشریف لاتے، اسی طرح منیٰ سے مکہ میں آخری دن پیدل یا ویل چیئر پر تشریف لے جاتے، ساتھیوں کے ساتھ خیمے میں گھل مل کر رہتے۔ کوئی انفرادی حیثیت روا نہیں رکھتے تھے، حج کے فوراً بعد مدینہ منورہ تشریف لے جاتے، مواجہ شریف پر حاضری کے بجائے قدمین شریفین پر حاضر ہو کر سلام پیش کرتے۔

جذبہ جہاد اور سفر افغانستان :

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جہاد افغانستان کی سب سے پہلے تائید اس روحانی مرکز سے ہوئی۔ اور افغانستان سے علمأ اسلام کا جو پہلا قافلہ آیا تھا اس نے یہیں قیام کیا تھا۔ مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان میں جہاد کانفرنسوں کا آغاز کیا اور اس سلسلہ میں پیر پگارا کے یہاں جہاد کانفرنس ہوئی، اس میں شرکت کے لئے مفتی محمود صاحبؒ بنوری ٹاؤن سے مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جہاد کے فتویٰ پر سب سے زیادہ دستخط کرنے والے بنوری ٹاؤن کے علمأ کرام تھے۔ حضرت شہیدؒ نے بھی اسی وقت سے جہاد افغانستان کی بھرپور تائید کی اور مجاہدین کے ساتھ بھرپور تعاون کرتے رہے۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰن چونکہ براہ راست جہاد اور جہادی کارروائی میں شرکت کرتے تھے اس لئے حضرت شہیدؒ اپنی دیگر مشغولیت میں مصروف رہتے تھے، حضرت مفتی احمد الرحمٰن کے انتقال کے بعد آپ نے اس سلسلہ میں اپنے مخلص رفقأ کرام مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا سعید احمد جلالپوری، راقم الحروف کو جہاد افغانستان کے سلسلے میں لگایا ہوا تھا۔ طالبان حکومت کے قیام

کے بعد آپ نے اخبارات اور مضامین کے ذریعہ نہ صرف ان کی تائید کی بلکہ ہر ممکن تعاون کیا۔ جامع مسجد فلاح سے ان کے لئے مختلف اوقات میں فنڈز جمع کر کے روانہ کرتے رہے، آپ علمی طور پر جہاد کی بھرپور حمایت کرتے مگر آپ نے افغانستان کا سفر نہیں کیا۔ بارہا پروگرام تشکیل پائے مگر حضرت کی مصروفیت اور بعد میں علالت کی وجہ سے پروگرام تشکیل پاتے اور ملتوی ہوتے رہے۔ امیر المومنین ملا عمر کے پیغامات اکثر و بیشتر دعاؤں کے لئے آتے۔ رمضان المبارک سے قبل آپ کا پروگرام افغانستان کا بنا مگر کسی دوسرے سفر کی وجہ سے یہ پروگرام نہ ہو سکا اور آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے، خیال تھا کہ بعد میں تشریف لے جائیں گے۔ حرمین شریفین کے بعد آپ اعتکاف میں تشریف فرما تھے کہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے فاضل مولانا مسعود اظہر کی رہائی عمل میں آئی اور ۲۱ رمضان المبارک کو وہ ہندوستان کے کروڑوں ہندوؤں کے دل پر مونگ دلتے ہوئے ہندوستان کے حکمرانوں کو ذلت کے گڑھے میں ڈالتے ہوئے وزیر خارجہ جسونت سنگھ اور دو سو کمانڈوز کے جھرمٹ میں قندھار ایئرپورٹ پر رہا ہو کر اترے تو پوری دنیا میں اسلام زندہ باد کے نعرے بلند ہو گئے۔ مجاہدین اسلام کے حوصلوں میں بلندی اور عزائم میں تیزی آئی، نیا ولولہ اور جوش و خروش پیدا ہوا۔ مولانا مسعود اظہر کراچی پہنچے تو مولانا مفتی نظام الدین شامزئی نے حضرت کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے مکان میں ان کی پریس کانفرنس کا اہتمام کیا، بعد ازاں مولانا مسعود اظہر حضرت شہیدؒ کی خدمت عالیہ میں اعتکاف میں مسجد فلاح تشریف لے گئے تو حضرت شہیدؒ نے ان کا خیر مقدم کیا اور تمام حالات سے آگاہی حاصل کی شوال میں مولانا مسعود اظہر صاحب دوبارہ ملاقات کے لئے حضرت شہیدؒ کے پاس پہنچے تو حضرت نے فرمایا۔ آپ افطاری سے پہلے چلے گئے تھے، میرے دل میں اس وقت خیال آیا تھا کہ میں آپ کو خلافت دوں۔ اب میں آپ کو خلافت دیتا ہوں، آپ خوب جہاد کا کام کریں اللہ تعالیٰ امداد فرمائیں گے۔ تین یا چار دن بعد مولانا مسعود اظہر جیش محمد ﷺ نامی جماعت کے قیام کی تحریر جو مولانا مفتی نظام الدین شامزئی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی لائے جس پر مفتی رشید احمد لدھیانوی، ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب کے دستخط تھے اور حضرت شہیدؒ صاحب سے تائید کی درخواست کی۔ حضرت نے نہ صرف تائید کی بلکہ ہر ممکن تعاون کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ بہت زیادہ تعارض پیش آئے گا، لیکن آپ اطمینان سے مثبت انداز میں کام

کئے جائیں، کچھ دن بعد مشاورت سے طے پایا کہ جیش محمد ﷺ کے قیام کا اعلان حضرت شہیدؒ کی مسجد فلاح سے کیا جائے۔ ۳ فروری بروز جمعہ کو مولانا مسعود اظہر نے جامع مسجد فلاح میں بیان کیا، بیان کے دوران حضرت شہیدؒ مسجد تشریف لائے پونے ایک بجے مفتی نظام الدین شامزئی نے بیان شروع کیا اور جیش محمد ﷺ کے قیام کی ضرورت سے آگاہ کرتے ہوئے اعلان کیا کہ آج سے جیش محمد ﷺ کے قیام کا اعلان کیا جارہا ہے اور حضرت مفتی رشید احمد، حضرت شہید مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، اور میری اور حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ اور دیگر علماً کرام کی مشاورت سے اس کی امارت کے لئے مولانا مسعود اظہر کا انتخاب کیا گیا ہے۔ مفتی نظام الدین شامزئی کے اس اعلان کے فوراً بعد حضرت شہیدؒ نے فرمایا کہ میں مولانا مسعود اظہر کے ہاتھ پر بیعت جہاد کرتا ہوں یہ جہاں چاہیں میری تشکیل کردیں۔ حضرت شہیدؒ نے اس بیعت کے ذریعہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بیعت کی یاد تازہ کردی جو انہوں نے نوجوان مجاہد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر کی تھی۔ جیش محمد ﷺ کے قیام کے ساتھ پورے پاکستان میں مجاہدین کو منظم کرنے کا کام شروع ہوگیا۔ حج سے واپسی کے بعد ۹ مئی کو حضرت شہیدؒ کا سفر افغانستان طے ہوا۔ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، قاری سعید الرحمٰن، مولانا نذیر احمد تونسوی، قاری عتیق الرحمٰن، قاری محمد ابراہیم، راقم الحروف، عتیق انور مولانا محمد طیب لدھیانوی، مولانا امان اللہ خالدی، مفتی خالد محمود، مولانا جہانگیر اور مولانا مقصود آپ کے ہم سفر تھے۔ یہ سفر ایک عجیب روحانی سفر تھا پورے پاکستان کے علماً کرام کی نگاہیں اس طرف تھیں جبکہ افغانستان کے تمام علماً کرام آپ کے استقبال کے لئے چشم براہ تھے۔ اس دورہ سے مخالفین پر اوس پڑی ہوئی تھی وہ جہاد کے خلاف اس بات کو استعمال کرتے تھے کہ حضرت آج تک افغانستان تشریف نہیں لے گئے حالانکہ حضرت شہیدؒ ایک ایک قدم پر مجاہدین کا تعاون کرتے رہے تھے۔ گزشتہ رمضان المبارک میں طالبان اور جہادی تنظیموں اور مجلس تعاون اسلامی کے لئے لاکھوں روپے کے عطیات حضرت شہیدؒ نے مسجد فلاح سے کرکے دیئے تھے۔ بہر حال ایک اسلامی ریاست کی طرف پاکستان کے سرخیل علماً کرام کا سفر ایک نئے عزم اور جوش وولولہ پیدا کرنے کا سبب تھا۔ حضرت شہیدؒ کے ہمراہ ۸ مئی کو صبح کی فلائٹ سے کوئٹہ پہنچے تو افغان قونصل جنرل مولانا عبداللہ حماد نے طالبان تحریک کے سربراہ ملا عمر اور وزارت خارجہ کے ذمہ

داروں کے نمائندہ کی حیثیت سے وفد کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ ایئرپورٹ سے یہ قافلہ براستہ چمن افغان قونصلیٹ کی گاڑیوں میں پروٹوکول عملہ کے ساتھ قندھار کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسپین بولدک پر افغان وزارت خارجہ کے نمائندے ملا عبدالرحمٰن نے وفد کا استقبال کیا۔ اسپین بولدک سے سرکاری اعزاز و اکرام کے ساتھ قافلہ قندھار کی طرف روانہ ہوگیا۔ سرزمین افغانستان میں داخل ہوتے ہی قافلے کے شرکا پر اطمینان و سکون کی عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت شہیدؒ کے چہرہ مبارک پر ایک خاص مسکراہٹ محسوس ہورہی تھی، اسلامی ریاست کی برکات کے اثرات سے آپ ہشاش بشاش نظر آرہے تھے۔ ایسا سکون کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔ اسلامی نظام کی برکات کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ دنیا میں کرارہے تھے۔ قندھار میں امیر المومنین ملا عمر کے نمائندوں ملا طیب آغا، ملا احمد جان احمدی، نے استقبال کیا اور خصوصی شاہی مہمان خانہ میں قیام کا انتظام کیا۔ گورنر قندھار ملا حسن شاہ خصوصی طور پر ملاقات کے لئے تشریف لائے اور امیر المومنین کی طرف سے خوش آمدیدی جملوں کے بعد خوشخبری سنائی کہ ۹ مئی کو بعد نماز ظہر ملاقات کا اہتمام کیا گیا ہے بعد نماز ظہر حضرت شہیدؒ کا قافلہ امیر المومنین سے ملاقات کے لئے پہنچا تو سادہ سے گھر میں قرون اولیٰ کے حکمرانوں کی سادگی کا منظر پیش کرتے ہوئے امیر المومنین نے گھر کے دروازے پر حضرت شہیدؒ اور دیگر علماً کرام کا استقبال کیا، ایک طرف حضرت شہیدؒ تشریف فرما ہوئے جبکہ دوسری طرف قاری سعید الرحمٰن اور حضرت شہیدؒ کے پہلو میں ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر تشریف فرما تھے، جبکہ اراکین وفد حلقہ کی شکل میں چاروں طرف بیٹھ گئے اب وہ تاریخی ملاقات شروع ہوئی جس کا امت مسلمہ کو سالوں سے انتظار تھا۔ امیر المومنین ملا عمر نے حضرت شہیدؒ اور آپ کے رفقا کی افغانستان میں آمد کو اسلام کی سربلندی اور افغان مسلمانوں کی کامیابی کے لئے نیک شگون قرار دیتے ہوئے حضرت شہیدؒ کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا۔ جناب قاری سعید الرحمٰن صاحب نے وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے امیر المومنین اور طالبان کی اسلامی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ حضرت شہیدؒ اپنی خصوصی محبت بھری مسکراہٹ کے ساتھ امیر المومنین کی طرف متوجہ تھے، ایک طویل ملاقات کے بعد حضرت شہیدؒ نے اجازت چاہی۔ امیر المومنین نے بادل نخواستہ اجازت دی، اس موقع پر مولانا امان اللہ خالدی کی طرف سے ایک امدادی رقم حضرت شہیدؒ نے امیر المومنین کو پیش کی تو

امیر المومنین نے خلاف عادت یہ رقم خود وصول کی، اور اس کو محفوظ کر لیا۔ حالانکہ عام طور پر وفود جو رقم پیش کرتے ہیں امیر المومنین کے نمائندے ان کی موجودگی میں وصول کرتے ہیں۔ اس ملاقات کے بعد حضرت شہیدؒ کی روحانی کیفیت میں ایک عجیب قسم کا سرور اور انشراح محسوس ہونے لگا تھا۔ حضرت شہید بارہا اس کا تذکرہ کرنے لگے تھے کہ انہیں شہادت نصیب ہوگی ایک دو موقع پر آپ نے شہادت کی دعا بھی فرمائی حالانکہ اس وقت افغانستان میں جنگ بندی تھی اور حکومتوں کے درمیان قیدیوں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ حضرت شہیدؒ کابل بھی تشریف لے گئے۔ نائب صدر گورنر کابل اور کمانڈر انچیف وغیرہ نے دعوتیں بھی کیں۔ کابل کے سفر میں مولانا مسعود اظہر کے رفقاً بھی شریک ہو گئے تھے، ایک ہفتہ کا یہ سفر ایک دلچسپ روحانی سفر تھا۔ جیش محمد ﷺ کے جانبازوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اگلے محاذوں کا بھی دورہ ہوا۔ حضرت شہیدؒ نوجوان مجاہدوں کی طرح مورچوں پر تیزی سے چل کر مجاہدین کو ایک عزم و حوصلہ کا درس دے رہے تھے۔ آپ نے فائرنگ بھی کی دیگر شرکاء نے ٹینک پر ایک راؤنڈ بھی لگایا۔ جیش محمد ﷺ کی جانب سے ٹریننگ کیمپ میں ایک استقبالی پروگرام میں شرکت کی۔ موسم کی خرابی کی وجہ سے مزار شریف کا سفر نہ ہو سکا اس سفر میں حضرت شہید طالبان کے لئے بہت زیادہ فکر مند نظر آئے، اور علماً کرام کو خصوصی طور پر تلقین فرماتے رہے کہ طالبان کے استحکام اور دشمنوں کی سازش سے بچانے کے لئے خصوصی اقدامات کی ضرورت ہے، اور اس کا بھی اظہار کیا کہ پاکستان جا کر علماً کرام کا خصوصی اجلاس بلا کر طالبان کی بھرپور حمایت پر ان کو متوجہ کروں گا۔ بار بار شمالی اتحاد کے لئے بد دعائیں کرتے رہے۔ سفر افغانستان سے واپسی ۱۵ مئی کو ہوئی۔ کراچی میں بھی آپ پر یہ روحانی کیفیت طاری تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ اس دنیا سے اپنا رشتہ توڑ چکے ہیں، طالبان کی فکر مندی آپ پر بہت زیادہ غالب تھی، کراچی میں بھی آپ نے اپنی شہادت کا تذکرہ اور دعا کا سلسلہ جاری رکھا تا آنکہ ۱۸ مئی بروز جمعرات کی صبح ظالموں نے آپ کو شہید کر کے حیات جاودانی کے منصب پر فائز کر دیا۔

یہ حضرتؒ کی زندگی کا ایک مختصر جائزہ تھا، اگرچہ آپ کی زندگی کے اتنے گوشے ہیں کہ اگر ان پر لکھنا شروع کیا جائے تو کئی سو صفحات مزید لکھے جا سکتے ہیں۔ ہمارے مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب اور مفتی خالد محمود صاحب کا اصرار ہے کہ مضمون کو جلد مکمل کریں تا کہ نمبر کی

اشاعت ممکن ہو، اس لئے آخری بات جو ہمارے بزرگوں کی خاص صفت رہی ہیں اس کے تذکرہ پر مضمون ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو حضرتؒ کی ایک سوانح مرتب کروں گا تو اس میں مزید تفصیلات درج کی جائیں گی۔

اکابر علماء کرام خصوصاً دیوبند کے اکابر کی یہ شان رہی ہے کہ وہ خود اختیاری فقر اختیار کرتے ہیں اور تمام زندگی مجاہدات اور زہد میں گزارتے ہیں۔ ''سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی'' نے مکہ مکرمہ میں ۱۷ / دن فاقہ فرمایا اور پھر فتوحات کا دروازہ کھلا۔ آپ نے فرمایا کہ: ''میں نے اپنے سلسلہ کی طرف سے فاقہ کا مجاہدہ کرلیا، انشاءاللہ آئندہ میرے سلسلہ میں فاقہ نہیں آئے گا''۔ ''شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ'' نے ''مدینہ منورہ'' میں نہایت تنگدستی اور عسرت کی زندگی گزاری''۔ ''حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ'' خود مدرسہ کے لئے سر پر سبزی اٹھا کر لایا کرتے تھے۔ گھر میں کئی دفعہ فاقہ ہم نے خود دیکھا، ''مفتی احمد الرحمٰنؒ'' ریاض مسجد سے پیدل تشریف لایا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کے ان مجاہدات کے بدلے اللہ تعالیٰ نے ایسی فتوحات نصیب فرمائیں کہ ہمارے یہ اکابر آخری دور میں لاکھوں روپے کے ہدایا دیا کرتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ: ''جو لوگ ہمارے بزرگوں کی زندگی کا آخری دور دیکھتے ہیں اور ان کی فتوحات پر ان کی نظر ہوتی ہے تو وہ اکثر و بیشتر بزرگوں سے اصلاح حاصل نہیں کرسکتے'' حالانکہ یہ اکابر بزرگ ان فتوحات کے باوجود جب دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں تو مقروض ہوتے ہیں اور ان فتوحات کو اپنی ذات پر استعمال کرنا اپنے منصب کے خلاف سمجھتے ہیں ان کے سامنے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عمل ہوتا ہے کہ لاکھوں دینار تقسیم کردیئے مگر اپنے افطار کے لئے کچھ رکھنا یاد نہیں رہا، لونڈی نے یاد دلایا تو فرمایا کہ پہلے یاد دلاتی، اور پانی سے روزہ افطار کرلیا۔ یہی صورتحال شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کی تھی۔

جیسا کہ شروع میں تذکرہ ہوا کہ حضرت شہیدؒ ٹرین کی تھرڈ کلاس سے تشریف لایا کرتے تھے۔ مسجد فلاح کے آغاز کے موقع پر مفتی مزمل حسین کا پڑیا کے مطابق بسوں پر لٹک کر تشریف لے جاتے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے آخری عمر میں فتوحات کا ایسا دروازہ کھولا کہ لوگ لاکھوں روپے آپ کو دیتے کہ آپ اپنی مرضی سے خرچ کریں اور حضرت دینی مدارس اور جہادی

تنظیموں کو مرحمت فرمادیتے۔

آپ کے زہد عن الدنیا کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نے چند سالوں سے یہ معمول بنایا ہوا تھا کہ کوئی چیز آپ کی ملکیت میں نہ ہو۔ آپ کی خواہش رہتی کہ دنیا سے اس حال میں رخصت ہوں کہ آپ خالی ہاتھ ہوں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ یہ میرے کپڑے بھی میری اہلیہ کی ملکیت ہیں، ان کی طرف سے صرف استعمال کی اجازت ہے۔ اس بنا پر آپ ہمیشہ مقروض رہتے۔

ایک دفعہ آپ نے مجھے حج کے لئے درخواست جمع کرانے کا حکم فرمایا۔ درخواست جمع کرانے کے بعد عزیزم عبدالرزاق نے آپ سے عرض کیا کہ حج کی رقم مرحمت فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا۔ ایک دو دن بعد ہمارے ایک دوست اور حضرت کے خلیفہ حافظ فیروزالدین صاحب نے حج کی رقم آپ کو مرحمت فرمائی۔ میں نے برادرم عبدالرزاق سے کہا کہ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر رقم وصول کرلیں۔ وہ شام کو جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ: ''میں نے تو وہ رقم ایک مدرسہ کے ضرورت مند کو دے دی، اب پھر آنا، اگر کہیں سے رقم آئی تو میں دے دوں گا۔ عبدالرزاق نے مجھے بتایا تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت وہ تو آپ کے حج کی رقم تھی؟ حضرت نے فرمایا کہ بھائی ایک ضرورت مند کو میں خالی ہاتھ کیسے واپس کرتا؟ خدا اور دیدے گا۔'' واقعی حضرت کی بات صحیح ثابت ہوئی، دوسرے دن ہی حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے حج کی رقم جمع کرادی۔

بہر حال حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول زندگی کے آخر تک رہا اپنی ذات کے لئے آئی رقم دینی کاموں میں مرحمت فرمادی اور خود مقروض ہو گئے۔ اس بنا پر جب آپ شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے تو تین لاکھ روپے کے آپ مقروض تھے جو آپ کے بعد آپ کے متعلقین نے ادا کئے۔ اسی طرح ہمارے ایک مخلص عبدالرحمٰن یعقوب باوا نے فرمایا کہ حضرت شہیدؒ نے تین لاکھ روپے کے قریب رقم قرضہ لی تھی، حالانکہ مولانا سعید احمد جلالپوری، مولانا عزیزالرحمٰن جالندھری اور مولانا منظور احمد الحسینی، وغیرہ نے واضح طور پر فرمایا کہ حضرت نے کوئی قرضہ نہیں لیا، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت کہ ان کے مخلص احباب اور متعلقین اور صاحبزادگان نے یہ رقم بھی ادا کردی۔ اب کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ پر کسی کا حق تھا۔ واقعی حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے زہد کا آخری حق تک ادا کردیا۔

شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کا سانحہ اتنا عظیم سانحہ ہے اور آپ کی جدائی کا غم ایسا غم ہے جس پر ہم جیسے بے بضاعت اور تہی دامن کا لکھنا الفاظ کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں، اس لئے اس سانحہ کے بارے میں حضرت شہید کے الفاظ جو انہوں نے مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کی رحلت پر فرمائے تھے اسی کو لکھ کر اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہوں اور اپنے مضمون کی ابتداً وانتہاً کو اس طرح مبارک بناتا ہوں کہ مضمون کا آغاز حضرت شہیدؒ کے ان الفاظ سے کیا جو انہوں نے اپنے شیخ حضرت بنوری کے بارے میں تحریر فرماتے تھے اور مضمون کی انتہا حضرت شہیدؒ کے ان الفاظ سے کرتا ہوں جو انہوں مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کے بارے میں تحریر فرمائے:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ۹۵ھ میں حجاجؒ کے دست جفا سے شہید ہوئے تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں ان کے بارے میں حضرت میمون بن مہرانؒ کا قول نقل کیا ہے:

''سعید بن جبیرؒ کا انتقال اس وقت ہوا جب کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔''

نیز امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد نقل کیا ہے:

''سعید بن جبیرؒ اس وقت شہید ہوئے جب کہ روئے زمین کا کوئی بھی شخص ایسا نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔''

''پاکستان کی حد تک یہ فقرہ حضرت مفتی محمودؒ پر حرف بحرف صادق آتا ہے۔ وہ دنیا سے اس وقت رخصت ہوئے جب اہل علم ان کے علم و فقہ کے محتاج تھے۔ اہل دانش کو ان کے فہم و تدبر کی احتیاج تھی اور اہل سیاست ان کی قیادت و زعامت کے حاجت مند تھے۔ اس لئے ان کی وفات بیک وقت علم و دانش، فقہ و حدیث، سیاست و قیادت، حلم و تدبر، شجاعت و بسالت اور شہامت و زعامت کا ماتم ہے۔ ان کی تہاذات سے دین اور خیر کے اتنے شعبے چل رہے تھے کہ ایک جماعت بھی ان کے خلا کو پر کرنے سے قاصر رہے گی۔'' (شخصیات و تاثرات صفحہ: ۱۹۶)

موجودہ وقت میں یہ جملہ شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ پر حرف بحرف صادق آتا ہے۔ آپ دنیا سے اس وقت رخصت ہوئے کہ تصنیف و تالیف، تردید قادیانیت، رشد و ہدایت، وعظ و نصیحت، شفقت و محبت، تعلیم و تعلم، جہاد و تبلیغ، خطابت و امامت، قیادت و سیادت، حلم و تدبر، غرض ہر میدان میں آپ کی ضرورت تھی۔ عام طور پر بڑوں کی وفات پر کہا جاتا ہے کہ قوم یتیم ہوگئی، لیکن اگر اس جملہ کی حقیقت تلاش کرنی ہو تو وہ حضرت شہید اسلام کی رحلت پر ہی کی جاسکتی ہے کہ آپ کی رحلت سے طبقہ علماً دیوبند اور آپ کے متعلقین و منتسبین یتیم ہوگئے اور ان کی دنیا اندھیر ہو چکی ہے۔

اللھم اغفر له وارحمه و عافه، واعف عنه، واكرم نزله، ووسع مدخله، و ابد له داراً خيراً من داره، و اهلاً خيراً من اهله، اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده۔ آمين، برحمتك يا رب العالمين

.....☆.....

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا مگر یہاں جتنے حکمران آئے انہوں نے لفظی طور پر تو خوب اسلام کے بلند وبانگ دعوے کئے مگر عملی طور پر اسلام کی تکذیب کی، لادینیت کو ملک میں پھیلایا، اسلامی شعائر کو پامال کیا، فحاشی و عریانی اور ناچ گانے کی ترویج کی۔ حد یہ کہ مسٹر بھٹو کے دور میں بھی "اسلام اسلام" کے نعرے کچھ کم نہیں لگائے گئے، جب کہ اندر ہی اندر پوری قوم کے مزاج کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے تمام وسائل استعمال کئے گئے، یہی منافقت تھی جس نے سکندر مرزا سے لے کر مسٹر بھٹو تک ہمارے حکمرانوں کو ذلیل ورسوا کیا، اور منافقوں کا یہ ٹولہ نہ صرف خود اپنے کیفر کردار کو پہنچا بلکہ ملک وملت کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبا اور قوم کو موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا کر گیا۔

جب مارشل لا حکومت برسر اقتدار آئی تو شروع شروع میں ایک بار پھر اسلامی نظام کا غلغلہ بلند ہوا، اس کے لئے "اسلامی نظریاتی کونسل" کی تشکیل بھی ہوئی، کونسل کے گرم گرم اجلاس بھی دھڑا دھڑ ہوئے، اس کی کچھ سفارشات بھی سامنے آئیں، چادر اور چار دیواری کے تحفظ کی باتیں بھی سننے میں آئیں، ملک سے سود کی لعنت ختم کرنے کے اعلان بھی ہوئے، بینکاری کے موجودہ سودی نظام کو بدلنے کے فارمولے بھی وضع ہوئے، اور قوم کو بجا طور پر یہ توقع ہوگئی کہ پاکستان میں اسلام ہی آئے گا اور آئے گا بھی ہمارے مرد مومن جنرل ضیاالحق کے ہاتھوں، لیکن: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!.....

سفرِ شہادت

صاحبزادہ مولوی محمد یحییٰ لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۸ر مئی ۲۰۰۰ء کی صبح کے وہ لمحات میں کس طرح بھول سکوں گا جب ہم سب کیلئے دنیا اندھیر ہوگئی اور وہ مسکراتا چہرہ جو ہم سب کیلئے باعث تسکین تھا، مسکراتا ہوا اپنے ہی لہو سے اپنے آپ کو سرخ رو کرتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔

والد محترم، مرشد العلما، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے ہم نام و ہم کام، گلشن بنوری کے سرخیل، امام اہل سنت مفتی احمد الرحمٰن اور مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکی اور مولانا محمد ادریس میرٹھی کے ہم سفر، لسان ختم نبوت، شیخ المشائخ خواجہ خواجگان مولانا خان محمد کے ترجمان، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا اعظم طارق، مولانا مسعود اظہر، مفتی نظام الدین شامزئی، ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر کے مرشد، ولی کامل، درویش صفت فقیہ وقت، مجاہد اعظم، اور جیش محمد ﷺ کے سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو ہم، ظالم درندوں سے محفوظ نہ رکھ سکے، اور میرے کمزور ہاتھ اور جسم ان کی حفاظت کی ذمہ داری سے قاصر رہے، اور ان کی آخری خواہش، اور پاک سرزمین افغانستان میں کی گئی دعا قبول ہوئی اور حضرتؒ شہادت کا مرتبہ پاکر حیات جاودانی سے ہم کنار ہوگئے جہاں حکم خداوندی کے مطابق اب ان کو کوئی موت سے دوچار نہیں کرسکتا۔ صادق الامین، خاتم النبیین، نبی الملاحم،

اور قائد المجاہدین حضرت محمد ﷺ کی حدیث کے مطابق وہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہوں گے، اور خدا تعالیٰ کے سوال پر دوبارہ شہادت کے پر لطف لمحات کے طالب ہو رہے ہوں گے، عربی شعر کے مفہوم کے مطابق: ''وہ تو بے شک کامیاب ہو کر اعلیٰ علیین میں جگہ پا گئے۔ لیکن ہم ان کے فراق پر غمگین ہیں اور ان کے مسکراتے ہوئے چہرے کو ہر طرف ڈھونڈھ رہے ہیں''۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ معمول کے مطابق دعائے سحر گاہی اور فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد کچھ دیر آرام فرما کر گھر سے رخصت ہونے سے پہلے گویا اپنے آقا سے اجازت کی طلب کے لئے دوگانہ ادا کر کے دعا میں مشغول ہوئے تو کوئی بھی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ چند لمحوں بعد اس شخصیت نے شہادت کا منصب پا کر آخرت کو سدھار جانا ہے۔ ۱۰ بجے آپ گھر سے نیچے اترے تو آپ کا وفادار رفیق و جاں نثار محافظ، اور ڈرائیور عبدالرحمٰن موجود تھا، اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا، کسے معلوم تھا کہ آج دروازہ کھولنے والا آخری بار دروازہ کھولنے کا فریضہ انجام دے رہا ہے، اور گاڑی میں بیٹھنے والا بھی اس زندگی کی آخری سواری پر سوار ہو رہا ہے، چونکہ اس دن امتحان کی وجہ سے میری چھٹی تھی، اس لئے خادم خاص برادرم محمد اجمل کے بجائے میں دوسری طرف کا دروازہ کھول کر حضرت کے پہلو میں پچھلی نشست پر بیٹھ گیا، حضرتؒ کا معمول تھا کہ آپؒ نصیر آباد بس اسٹاپ پر پھل فروشوں کے پاس گاڑی رکواتے اور آپ کا مخلص مرید محمد نعیم پھل لئے تیار کھڑا ہوتا آپ قبول فرماتے اور گاڑی چل پڑتی، اسی معمول کے مطابق گاڑی رکوائی اور فرمایا آج پھل واپسی میں لیں گے، میں نے کہا بھی کہ کیا آج دوپہر کو نوش نہیں فرمائیں گے؟ فرمایا آج طبیعت نہیں ہے۔ نعیم نے کہا میں گھر پہنچا دوں گا، آپ واپسی میں زحمت نہ فرمائیں، محمد نعیم واپس ہوا، میں نے گاڑی کا شیشہ اوپر کیا ہی تھا کہ ایک دھماکہ ہوا، میں نے پلٹ کر دیکھا تو بھائی عبدالرحمٰن ایک طرف لڑھک رہا تھا، میں نے محسوس کر لیا کہ حضرت پر قاتلانہ حملہ ہو گیا ہے اور آپ کا وفادار ساتھی جو ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ میری زندگی میں حضرت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکے گا، پہلے میں حضرت پر اپنی جان نچھاور کروں گا، پھر میری لاش سے گزر کر ہی حضرت کی طرف کسی ظالم کے ہاتھ بڑھیں گے، واقعی اس نے

اپنی زبان کی لاج رکھ لی۔

میں حضرت کو بچانے کے لئے آپؒ کے سینہ سے چمٹ گیا تاکہ آپؒ پر چلنے والی گولی مجھے چھلنی کردے۔ لیکن حضرت محفوظ رہیں۔ مگر تربیت یافتہ ظالم درندوں نے حضرت کی گردن اور پہلو کی طرف سے حملہ کیا اور دو گولیاں مجھ پر چلائیں۔ ایک گولی میری پیٹھ سے ہوتی ہوئی سینہ سے نکل کر حضرت رحمہ اللہ کے جسم میں پیوست ہوگئی، میں اب تک یہی گمان کرتا رہا کہ حضرت محفوظ ہیں اور حضرت کے جسم پر موجود خون میرا خون ہے مگر جب مجھے لاالہ الااللہ کا ورد کرتی ہوئی حضرت کی زبان ساکت محسوس ہوئی تو میں نے حضرت کے کندھے کو ہلاتے ہوئے کہا حضرت اٹھ جائیے، ظالم جاچکے ہیں۔ لیکن خون شہادت سے سرخ رو حضرت کا مسکراتا ہوا چہرہ گویا کہتا نظر آیا: بیٹے! میں تو حیات جاودانی پاگیا اور جنت کے مزے لوٹ رہا ہوں۔ اگرچہ مجھے یقین سا ہوگیا کہ حضرت دنیا کی سرحد عبور کرچکے ہیں مگر پھر بھی میں مایوس نہیں ہوا بلکہ گاڑی سے باہر نکلا کہ لوگوں کو متوجہ کرکے حضرت کو ہسپتال لے جاؤں، ہوسکتا ہے کہ حضرت بے ہوش ہوں مگر وہاں ہر طرف افراتفری تھی، میں گھر کی طرف چلدیا تاکہ دوسرے بھائیوں اور گھر والوں کو اطلاع دوں، اتنے میں محلّہ کے ایک ساتھی نے ڈرائیور کو ایک طرف کیا اور گاڑی لیکر ہسپتال کی طرف دوڑا، جب کہ مجھے محلّہ کے ایک ساتھی نے گھر پہنچایا اور میں نے اس سانحہ کی اطلاع دی، میرے بھائی حافظ عتیق الرحمٰن لدھیانوی صاحب مجھے وھاج ہسپتال لے گئے وہاں ڈریسنگ کرکے عباسی شہید ہسپتال پہنچایا گیا، جہاں پر دوبارہ ڈریسنگ کی گئی، حضرت رحمہ اللہ کو بھی عباسی شہید لے جایا گیا لیکن وہ تو اسی وقت رخصت ہوچکے تھے اگرچہ ان کا مسکراتا ہوا چہرہ اس بات کی غمازی کررہا تھا کہ وہ محو استراحت ہیں اور ابھی انگڑائی لیتے ہوئے اٹھیں گے، اس لئے کہ عام طور پر میں نے یہی سنا تھا کہ گولی لگنے سے شدید تکلیف ہوتی ہے کئی منٹ تک لوگ تڑپتے ہیں، دہشت کی وجہ سے چہرہ بگڑ جاتا ہے، لیکن یہ سب کچھ تو میرے حضرت کے ساتھ نہیں ہوا، اور ہوتا بھی کیوں؟ اس لئے کہ آپؒ تو جنت کے سوداگر اور خریدار تھے۔ چنانچہ جب آپؒ گھر سے نکلے تو لاالہ الااللہ کی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ ڈرائیور عبدالرحمٰن شہید ہوا تو آپ کے لب مبارک کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے

نظر آئے، آپ کو چار گولیاں لگیں تب بھی آپ کے ورد میں کوئی فرق نہیں آیا، نہ آہ نکلی، نہ ہی چیخ اور نہ ہی آپ کے پر سکوں چہرہ میں تغیر یا ردوبدل ہوا، حدیث شریف کے مطابق آپ کی روح فرشتوں نے بہت ہی پیار اور عقیدت سے نکالی اور آپ کو گولیوں کی تکلیف کے احساس سے عاری کر دیا۔

حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ کے بارے میں سنا تھا کہ ٹانگ کا آپریشن کراتے وقت آپ نے بے ہوشی کا انجکشن لگوانے سے انکار کر دیا اور جب ڈاکٹروں نے نشتر لگانے شروع کئے تو آپ نے ذکر اللہ شروع کر دیا جس کے جذب و سرور کی وجہ سے آپ کو نشتر کے کاٹنے کا احساس تک نہ رہا، حضرت مفتی صاحب کے متعلق تو صرف سنا ھی تھا مگر اپنے حضرت کی حالت کا خود مشاہدہ کیا کہ مسلسل گولیاں لگ رہی ہیں لیکن زبان سے کلمہ طیبہ کا ورد جاری ہے اور تکلیف کا احساس تک نہیں ہو رہا تھا۔

حضرت ابا جانؒ کی شہادت پاکستان ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں پر بجلی بن کر گری اور ہر طرف سوگ چھا گیا، کراچی کی مارکیٹیں اور کاروباری دنیا دیکھتے ہی دیکھتے سونی ہو گئی، ہر شخص اشکبار تھا، منٹوں میں لوگ جامع مسجد الفلاح نصیر آباد اپنے مرشد کی میت کی زیارت کے لئے پہنچ گئے، ہر طرف سے سسکیوں اور آہوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، ملک کے اطراف سے علما کرام اور مشائخ عظام پہنچنا شروع ہو گئے اور شام تک لاکھوں افراد جنازہ کیلئے جمع ہو چکے تھے۔ محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری کے گلشن علم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں نماز جنازہ ادا کی گئی، اخباری اطلاع کے مطابق سات لاکھ سے زیادہ مجمع تھا، بنوری ٹاؤن سے سینٹرل جیل تک تقریباً تین کلو میٹر کے علاقہ میں لوگ ہی لوگ نظر آرہے تھے، جنگ کے فوٹوگرافر کی عکاسی کے مطابق ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک طویل و عریض علاقہ میں انسان ہی انسان ہیں، ایشیا کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ آج تک نہیں ہوا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا تھا ہماری عند اللہ مقبولیت کا اندازہ ہمارے جنازوں سے ہوتا ہے، واقعی حضرت کا جنازہ مقبولیت عند اللہ کا عظیم مظہر تھا جہاں لاکھوں مسلمانوں کے ساتھ لاکھوں فرشتے بھی آپ کی مغفرت کی دعا کرتے ہوئے آپ کو خراج عقیدت پیش کر رہے تھے۔

نماز جنازہ کے بعد آپ کے جسد خاکی کو جامع مسجد خاتم النبیین ﷺ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا، آپ کا مسکراتا، لہو سے رنگین ڈاڑھی دیکھ کر ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحب کی زبان سے بے ساختہ نکلا: ''آپ خدا تعالیٰ کے دربار میں سرخ رو ہو کر جا رہے ہیں۔''

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی پوری زندگی ہی دین اسلام کی سربلندی کیلئے وقف تھی، اس لئے وہ کسی ایک شعبہ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے بلکہ ان کی خدمات، دین کے تمام شعبوں کو محیط ہیں، اس لئے آپ کو اپنی ذات میں انجمن کہنا زیادہ مناسب ہے، آپ کی ان خدمات کی وجہ سے آپ کو ''ترجمان علماً اہل حق'' کا خطاب بھی دیا گیا، مولانا بنوری رحمہ اللہ آپ کو ''اپنا ہم نام وہم کام'' کہا کرتے اور اپنے مدرسہ کا مدار قرار دیتے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی پوری زندگی جہاد سے عبارت تھی، لیکن جہاد افغانستان میں آپ کا اہم کردار ہے، طالبان کی حمایت میں سب سے پہلے آپ نے فتوی صادر کیا، مولانا مسعود اظہر کی رہائی پر آپ نے جیش محمد ﷺ کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت علی الجہاد کی سنت ادا کی، اور پھر افغانستان کا دورہ کر کے امیر المومنین ملا عمر کو تعاون کا یقین دلایا، اگلے مورچوں پر جا کر فائرنگ کی اور احمد شاہ مسعود کی شکست کے لئے بد دعائیں کیں، بہر حال حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی پوری زندگی جہدِ مسلسل تھی، جن کی خدمات کو تاریخ سنہری حروف سے محفوظ رکھے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین